جلد 2 شمارہ 7 ستمبر 2000ء جمادی الثانی 1421ھ

قُلْ اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ (الرعد)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے۔

ماہنامہ

آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

CS CamScanner

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید' اتباع رسول ﷺ' کثرت ذکر' مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالےٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت' حسد و بغض' تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ' تسلیم و رضا' عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت' مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا' تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات' اہل و اعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا' اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت' اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

CamScanner

نگران و سرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

فلاح آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

جلد 2 شمارہ 7 ستمبر 2000ء جمادی الثانی 1421ھ

ایڈیٹر عبدالقیوم ہاشمی

شعبہ سرکولیشن وحید احمد

مجلس ادارت

محمد مرتضیٰ توحیدی، ایم محمد اکرم، پروفیسر منیر احمد لودھی، ایم محمد طالب

ڈاکٹر عبدالرشید وقار، محمد صدیق، سید عاشق حسنین مرتضیٰ شاہ بخاری

مولانا حافظ بشیر احمد

قیمت ———— -/15 روپے	سالانہ چندہ ———— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ

Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:

عبدالقیوم ہاشمی

تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519

E-mail: asbm@guj.pol.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
اداریہ	عبدالقیوم ہاشمی	3
درس قرآن	پروفیسر قاضی حلیم فضلی	5
درس حدیث	رانا محمد اعجاز	15
دین محبت	قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی	17
خواجہؒ کے خطوط	خالد مسعود توحیدی	24
رشوت کی نیت	آفتاب احمد خاں	26
اصلاح کیسے کی جائے	حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ	28
ڈی این اے کی تشکیل	قاضی اختر	37
نومسلم کا تعارف	ڈاکٹر عبدالغنی فاروق	41
حسین ابن منصور حلاجؒ	ایم محمد اکرم	46
تصوف اسلامی اور مرتبہ احسان	عبداللہ	52
آدمیت کے نام	شیخ محمد اسلم	55
کواکب نو	سید احمد ظفر علی	58
جمہوریت	محمد آصف ڈار	60
توبہ واستغفار کے آداب	حافظ محمد یاسین	62

CamScanner

اداریہ

سلسلہ توحیدیہ ایک روحانی اصلاحی تحریک ہے جس کا مقصد مسلمانوں کے درمیان باہمی محبت و اخوت، خلوص، اتحاد اور قربانی کے جذبات بیدار کرنا ہے۔ اس لئے مریدان سلسلہ توحیدیہ پہ بہت اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ وہ شیخ سلسلہ کی تلقین کی ہوئی تعلیمات کو من و عن تسلیم کرتے ہوئے اس پہ عمل پیرا ہوں۔ روحانی سلوک میں ترقی اور قرب الٰہی میں پیش رفت اسی صورت میں ممکن ہے جب شیخ سلسلہ سے بعض امور میں اختلافات کے باوجود مرید ہر طرح سے مرشد کے احکامات پہ جاں نثاری سے عمل کرے۔ اصل چیز یہ ہے کہ مرشد اور مرید کے نظریات میں مکمل ہم آہنگی ہونا چاہیے۔ شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے طریقہ کار میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے اور کسی طرح بھی مرشد کے بارے میں دل میں بغض و عناد پیدا نہیں ہونا چاہئے۔ ورنہ تمام بنے بنائے کام بگڑ جائیں گے۔ جو لوگ فروعی معاملات میں ہی اپنے رہنما سے جھگڑا کھڑا کر لیتے ہیں اور کسی طرح بھی اپنی غلطی کو تسلیم نہیں کرتے وہ درحقیقت اپنی خام طلبی اور پست ہمتی کے اظہار کے علاوہ مشن کے اصل مقاصد سے بھی نابلد ہوتے ہیں۔ اس طرح صالح قیادت کا تو کچھ بھی نہیں بگڑتا الٹا اس کے نافرمان ارکان بے شمار روحانی و دنیوی برکات سے ضرور محروم ہو جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرعون سے جہاد کرنے کے لئے کہا تو آپ کی قوم نے کہا جاؤ موسیٰ (علیہ السلام) تم خود اور تمہارا خدا جا کر لڑے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ اس کی پاداش میں یہ قوم برسوں جنگلات اور بیابانوں میں حیران و پریشان سرگرداں رہی۔ اس کے برعکس صحابہ کرامؓ نے رسول کریم ﷺ سے بھرپور تعاون کیا تو دنیا کی کایا ہی پلٹ گئی اور جو مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو

حاصل ہوا وہ اب کسی انسان کو نصیب نہیں ہو سکتا خواہ وہ کتنی ہی عبادت و ریاضت کر لے۔ اگر ہم قرآنی تعلیمات اور رسول کریم ﷺ کی سنت پر تندہی سے عمل کریں تو یقیناً اللہ کی محبت اور قرب و رضا کے تو ہم حق دار ٹھہریں گے ہی ساتھ ہی ساتھ دنیا میں بھی باعزت مقام حاصل کر سکتے ہیں مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو اوصاف مومن بیان کئے گئے ہیں انکو اپنی شخصیت کا حصہ بنالیں یعنی حضور نبی کریم ﷺ کی سنت (طریقہ) کو اپنالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا طریقہ (سنت) یہ ہے

"معرفت میری اصل پونجی ہے' میرے دین کی جڑ عقل ہے' محبت میری بنیاد ہے' شوق (طلب) میری سواری ہے' اللہ کا ذکر میرا مونس ہے' اعتمادِ الٰہی میرا خزانہ ہے' اندوہ دل میرا رفیق ہے' میرا ہتھیار علم ہے' صبر میرا شاندار لباس ہے' رضائے الٰہی میری غنیمت ہے' عاجزی میرا فخر ہے' زہد میرا پیشہ ہے' یقین میری روزی ہے' صدق میرا ساتھی ہے' طاعت کرنا میری عزت ہے' جہاد میری خصلت ہے' میری آنکھ کی ٹھنڈک نمازیں ہیں"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان مقدس صفات کو اپنی ذات میں اجاگر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

(والسلام۔ عبدالقیوم ہاشمی)

درس قرآن

(پروفیسر قاضی حلیم فضلی)

سود خواری

الذین یاکلون الربوا الا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المس ذلک بانهم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل الله البیع و حرم الربوا فمن جاءہ موعظه من ربه فانتھی فله ما سلف وامره الی الله ومن عاد فاولیک اصحب النار ھم فیھا خلدون یمحق الله الربوا و یربی الصدقت والله لا یحب کل کفار اثیم (البقرہ ۲۷۵، ۲۷۶)

ترجمہ! "جو لوگ سود کھاتے ہیں انکا حال ایسا ہے جیسے انہیں شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو سود ہی ہے اور اللہ نے تجارت کو جائز اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچے اور وہ سود خواری سے باز آ جائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا ہے' کھا چکا ہے اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اور جو اس کے خدا کے حکم کے بعد پھر بھی سود خوری جاری رکھے وہ جہنمی ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا"

تفسیر و تشریح

ربوا کے لفظی معنی عربی میں زیادتی کے ہیں۔ اصطلاح میں اس اضافی رقم کو کہا جاتا ہے جسے اصلی رقم پر مقررہ شرح کے مطابق قرضدار سے وصول کیا جاتا ہے' جس کی مختلف صورتیں اس زمانہ میں رائج تھیں۔

سود کی صورتیں

1۔ جب کوئی چیز فروخت کی جاتی ہے اس کی قیمت کی ادائیگی کے لئے کوئی مدت مقرر کر دی جاتی۔ اگر اس مدت کے اندر قیمت ادا نہ ہوتی تو مزید مہلت دے دی جاتی اور اس مہلت پر قیمت میں مزید اضافہ کر دیا جاتا۔

2۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ایک شخص کسی کو قرض دیتا تو دونوں کے درمیان یا قرض دینے والا اس شرط پر قرض دیتا کہ اتنی مدت میں قرض کی اصل رقم پر اتنا مقررہ اضافہ ادا کرو گے۔

3۔ تیسری صورت یہ ہے قرض دار اور قرض خواہ کے درمیان ایک خاص مدت کے لئے

اصل رقم پر اضافی شرح مقرر ہوتی' اگر اس مدت میں وہ اصلی رقم معہ شرح ادا نہ کرتا تو مزید مہلت پہلے سے زائد شرح پر مقرر کردی جاتی۔ ان تینوں صورتوں کو قرآن کریم نے اس آیت میں حرام قرار دیا ہے اور اسے شیطان کے چھونے کی مثل قرار دیا ہے۔ شیطان کا چھونا' مس کرنا ایسے آدمی کو کہا جاتا تھا جو دیوانہ اور آسیب زدہ ہو۔ عربوں میں جب کوئی ہوش و حواس کھو بیٹھے تو اسے کہتے تھے اسے شیطان نے مس کردیا یا شیطان لگ گیا ہے۔ قرآن کریم نے سود خوار کے لئے یہی رائج محاورہ استعمال کیا ہے یعنی سود خوار بھی مخبوط الحواس کی طرح عقل سے عاری ہوتا ہے اور دولت کے پیچھے دیوانہ ہوتا ہے۔ خود غرضی اور پیسے کے لالچ میں اس کے اندر انسانی ہمدردی' اخوت اور باہمی برتاؤ کا خیال تک نہیں آتا۔ وہ کتنے ہی لوگوں کی بدحالی اور تباہی پر اپنی خوشحالی اور فائدے کی بنیاد رکھتا ہے۔ دنیا میں تو اس کی دیوانگی اور خود غرضی کا یہ عالم ہے ہی' مگر آخرت میں بھی وہ باولا اور مخبوط الحواس اٹھے گا۔

سود اور تجارت کا فرق

کفار اور سود خوار کہتے ہیں کہ خدا تجارت میں لگے ہوئے سرمائے کا منافع جائز کرتا ہے اور سود پر دی ہوئی رقم پر زائد منافع کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔ ان کے نزدیک جس طرح رقم دینے والا آدمی اپنی رقم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اسی طرح جس کو قرض دیا جاتا ہے اس پر وہ بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے' اس لئے کیوں نہ قرض دینے والا اس فائدے سے کچھ حاصل کرے۔

1۔ دنیا میں جتنے بھی کاروبار ہیں' تجارت ہو' صنعت ہو' حرفت و زراعت ہو' یہ سارے کاروبار اپنی محنت سے ہوں یا سرمائے اور محنت دونوں سے ہوں۔ ان میں انسان نقصان اور خسارے کا خطرہ مول لیتا ہے' لیکن سود ایسا کاروبار ہے جس میں روپیہ لگانے والا مقررہ لازمی منافع کا حقدار ہوتا ہے وہ نقصان اور خسارے کا رسک (Risk) نہیں لیتا۔

2۔ کاروباری لوگ اپنا وقت' محنت' قابلیت اور سرمایہ رات دن کھپاتے ہیں جن کی بے انتہاء محنت سے کاروبار ترقی کرتا ہے یا اس کی ترقی ان کی محنت و مشقت اور وقت پر موقوف ہوتی ہے۔ اس کے باوجود مقررہ منافع کی ضمانت ہوتی ہے اور نہ نقصان کے اندیشے سے وہ فارغ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس سود خوار جس نے قرض دیا ہوتا ہے وہ کیوں بے خطر طے شدہ منافع وصول کرتا ہے۔ یہ کسی منطق' عقل اور معاشیات کی رو سے درست نہیں ہے۔

3۔ ایک شخص ایک کارخانے کو بیس سال کے لئے رقم قرض دے کر آج ہی یہ طے کرے کہ آئندہ سال تک پانچ فیصدی کے حساب سے مقررہ منافع لیتا رہے گا۔ حالانکہ وہ کارخانہ جو مال تیار کرے گا' کیا پتہ کہ مارکیٹ میں آئندہ بیس سالوں میں قیمتوں کا اتار چڑھاؤ کیا ہو گا۔

4۔ پھر یہ کیسے درست ہے کہ ایک قوم کے سارے طبقے کاروبار کی لڑائی میں خطرات' نقصانات اور قربانیاں برداشت کریں' مگر ساری قوم میں صرف سود خوار طبقہ ایسا ہو جو اپنے دیئے گئے قرضہ پر اپنی ہی قوم سے اس لڑائی میں صدیوں بعد سود وصول کرتا رہے۔ اسے نہ ملکی صورت حال سے دلچسپی ہو نہ قومی ضروریات کا احساس ہو۔

تجارت اور سود کا اصولی فرق

سود خوار اور تاجر دونوں کی معاشی اور اخلاقی حالت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ اس کا مندرجہ ذیل صورت حال سے فرق ظاہر ہوتا ہے۔

1۔ تجارت میں بیچنے اور خریدنے والے کے درمیان منافع کا مساویانہ تبادلہ ہوتا ہے۔ بیچنے والا اپنی محنت' وقت اور ذہانت کی اجرت لیتا ہے جسے اس نے خریدار کے لئے اسے مہیا کرنے پر صرف کی ہوتی ہے اور خریدار اس مہیا کی گئی چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کے برعکس سود خوار برابر کی بنیاد پر منافع نہیں لیتا بلکہ وہ مقررہ مقدار۔ سود۔ مال کے عوض لیتا ہے جو یقیناً" نفع بخش ہے۔

2۔ اگر کسی نے ذاتی ضرورت کے لئے قرض لیا ہے تو ظاہر ہے کہ قرضہ کی ادائیگی کی مہلت اس کے لئے نفع بخش نہیں ہے۔ اگر یہ قرض تجارت' زراعت اور صنعت کے لئے لیا ہے تو بھی اس کی مہلت میں نفع اور نقصانات کے امکانات موجود ہیں۔ سود ایک فریق کے یقینی مقرر فائدے کے لئے ہوتا ہے لیکن دوسرے فریق کا فائدہ غیر یقینی اور غیر معین ہوتا ہے۔

3۔ تاجر جتنا بھی منافع لے وہ ایک بار لیتا ہے' لیکن سود خوار اپنے سرمائے پر بار بار منافع وصول کرتا ہے بلکہ وقت کی رفتار کے ساتھ منافع بڑھتا رہتا ہے۔

4۔ تجارت کی معاشی حیثیت اور سود کی معاشی حیثیت میں اتنا عظیم الشان فرق ہے کہ تجارت انسانی تمدن کے تعمیر کرنے والی قوت ہے جب کہ سود اس کی تباہی و بربادی کا موجب ہے۔

سود کی اخلاقی حیثیت

سود خوار انسان خواہ فرد ہو یا قوم' اس میں سود خواری کی وجہ سے بخیلی' کنجوسی' خود غرضی'

سنگدلی، بے رحمی اور زر پرستی کی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس ہمدردی، امداد باہمی، سخاوت اور وسیع القلبی کی روح فنا ہو جاتی ہے۔ سود معاشی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے نوع انسانی کے لئے تباہ کن ہے۔

جو کھا چکا کھا چکا۔ فلہ ما سلف۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سود کی ممانعت کے بعد جو شخص سود خواری سے رک جائے تو سابقہ سود کے متعلق فرمایا گیا کہ جو کچھ اس نے اس خدائی ہدایت سے پہلے کھا لیا کھا لیا، یہ گنجائش رکھی ہے کہ اسے معاف نہیں کیا گیا بلکہ ایک قانونی رعایت دی گئی ہے کہ اس سے سابقہ وصول کردہ سود واپس نہ ہو گا، نہ کوئی اپنے سود واپس لینے کا مطالبہ کرے گا۔ البتہ یہ بات سود کھانے والے پر چھوڑ دی ہے کہ اگر اسلام لانے کے بعد اور سود کی اس حرمت کے بعد اس میں خدا خوفی پیدا ہو جائے اور اس میں معاشی نقطۂ نظر کی تبدیلی آ گئی ہو تو وہ خود اپنی سابقہ حرام کی کمائی کو خود پر خرچ نہ کرے گا بلکہ از خود ان حقداروں کو دے دے گا اور جن تک واپسی ناممکن ہو ان کا حق اجتماعی فلاحی کاموں پر خرچ کرے تو اس نیت اور عمل پر خدا کی سزا سے بچ جائے گا اور رہا وہ شخص جو سودی سابقہ مال حرام کے علاوہ اس کاروبار میں بدستور ملوث ہے اور ذاتی تصرف میں لا رہا ہے تو وہ اس حرام خوری کی سزا پا کر رہے گا۔

سود کی بے برکتی اور صدقات کے مال میں افزونی

یمحق اللہ الربوا۔ آیت کے اس فقرے میں ایسی سچائی کا اظہار ہے جو اخلاقی اور روحانی لحاظ سے بھی حق ہے اور معاشی اور تمدنی اعتبار سے بھی ناقابل انکار ہے۔ بظاہر سود خوار یہ سوچتا ہے کہ اس طرح اس کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے، لیکن ایسا نہیں خدا کا قانون فطرت یہی ہے کہ سود اخلاقی، روحانی، معاشی اور تمدنی ترقیوں میں مانع ہے بلکہ موجب تنزل ہے، اس کے برعکس صدقات، جن میں بظاہر خرچ ہی خرچ نظر آتا ہے اور منافع دکھائی نہیں دیتا، مگر اس میں خیر اور بھلائی کو نشو و نما ملتی ہے۔ سود خود غرضی، تنگدلی، سنگدلی، شقاوت، قلبی جیسی صفات کا نتیجہ ہے اور اس کے ذریعہ معاشرے میں یہی صفات رذیلہ نشو و نما پاتی ہیں۔ صدقات فیاضی، ہمدردی، فراخدلی، عالی ظرفی اور سخاوت کا نتیجہ ہوتے ہیں اور اس کے ذریعہ جن میں قرض حسنہ بھی شامل ہے، معاشرے میں یہی صفات بڑھتی پھلتی پھولتی ہیں۔ کون ہے جو اخلاق و کردار کے ان دو نمونوں اور صفات میں سے پہلی رذیلہ صفات کو بدترین اور دوسری صفات حمیدہ کو بہترین نہ مانتا ہو گا۔

تمدنی جائزہ

جس سوسائٹی کے افراد ایک دوسرے سے خود غرضی کا معاملہ کریں' ذاتی غرض اور فائدے کے بغیر کوئی دوسرے کے کام نہ آئے۔ کسی مجبوری کو ذاتی فائدے کا زریں موقعہ جانے اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ سرمایہ دار و مالدار لوگوں کا فائدہ عام لوگوں کے فائدے کی ضد ہو جائے تو ایسی سوسائٹی مستحکم اور پائیدار نہیں ہو سکتی۔ یہ کوّے' چیلوں' بھیڑیوں' کتوں اور گدھوں کی سوسائٹی تو ہو سکتی ہے جو مرنے والے جانور کی موت پر پیٹ بھرتے ہیں یعنی کسی کی موت پر ہی ان کی زندگی کا انحصار ہو تو اسے انسانوں کی سوسائٹی کون کہے گا۔

اس سوسائٹی اور معاشرے کے افراد باہمی محبت و اخوت کی بجائے حسد' بغض' بیدردی' بے رحمی اور لاتعلقی کا شکار ہو کر اس کے اجزاء بکھر جائیں گے۔ اگر دوسرے اسباب بھی شامل ہو جائیں تو باہمی تصادم کی صورت پیدا ہونا یقینی ہو گی۔ اس کے برعکس جس سوسائٹی میں اجتماعی نظام ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور اخلاص پر مبنی ہو' جس کے افراد ایک دوسرے سے فیاضی و سخاوت کا برتاؤ کریں' جس میں ہر شخص دوسرے کی حاجت و ضرورت میں فراخ دلی کا مظاہرہ کرے۔ جس میں باوسیلہ لوگ بے وسیلہ لوگوں سے منصفانہ و خوشگوار تعاون کا سلوک کریں تو ایسی سوسائٹی میں آپس کی محبت' خیر خواہی اور دلچسپی بڑھے گی' اس کے اجزاء ایک دوسرے سے پیوستہ اور ایک دوسرے کی پشتی بان ہوں گے۔ اس میں اندرونی نزاع اور تصادم کا موقعہ نہ ملے گا تو ترقی کی رفتار پہلی قسم کی سوسائٹی سے زیادہ تیز ہو گی۔

یہ صرف خیالی اور نظریاتی باتیں نہیں ہیں۔ ہمارے ملک کے بڑے بوڑھے اور بالخصوص دیہی علاقوں کے افراد جانتے ہیں کہ آج سے صرف چند سال پہلے جب بازاروں میں اشیاء کی فروخت کا رواج نہ تھا یعنی روپیہ بنانے اور روپیہ کمانے کی سوسائٹی وجود میں نہ آئی تھی تو برادریوں میں خلوص و محبت کی فضاء قائم تھی' خاندانوں میں اجتماعی رہائش اور اجتماعی خوراک کا چلن تھا' پورے کنبے اور برادریاں مل جل کر رہتے' غم اور خوشیوں میں شریک ہونے کی پابند تھیں۔ گاؤں میں' پورے علاقہ میں کہیں شادی یا غم ہوتا تو آپس کے تعلق کا یہ حال تھا کہ شادیوں غموں میں گھی اور غلے کے ذخیرے ایک دوسرے کو ادھار اور قرض کے طور پر دیئے جاتے تھے اور جس زمیندار کے گھر سے جتنا پرانا گھی اور غلہ جتنی زیادہ مقدار میں قرض نکلتا تھا لوگ اس پر فخر کرتے تھے اور

معاشرے یا اس دور کی سوسائٹی میں اس پر فخر کیا جاتا تھا کہ فلاں کے گھر سے اتنا غلہ اور گھی بطور امداد ملا ہے اور یہ امداد جنس کی صورت میں کئی سالوں تک لوٹائی جاتی تھی۔ شادی اور غموں میں ---- متعلقہ آبادیاں بستر' برتن اور چارپائیاں مہیا کرتی تھیں۔ کسی کو شادی اور غموں میں مہمانوں کے سنبھالنے کا غم ہی نہ ہوتا۔ بستی کے افراد اپنا فرض سمجھ کر انجام دیتے تھے۔ اس وقت کی سوسائٹی اس باہمی شراکت میں ایک دوسرے سے پیوستہ رہتی۔ گاؤں میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ دودھ بیچنا باعث شرم سمجھا جاتا تھا۔ شیر دار بھینسوں والے ایسے گھروں میں بالالتزام دودھ بھیجتے جن کی بھینیس شیردار نہ ہوتی تھیں' مختلف گھروں سے ان کے ہاں اتنا دودھ جمع ہو جاتا تھا کہ اسے اس کی ضروریات سے بچ کر دودھ جمانے اور بلونے' لسی' مکھن اور گھی تک روزمرہ کی ضروریات میں کام آتا تھا۔ یہ تھا اس باہمی جذبہ ہمدردی' باہمی خلوص' سیر چشمی اور فیاضی کا عالم' جو آجکل ناپید ہو چکا ہے۔ کیونکہ تجارتی ذہنوں' اپنے ذاتی فائدوں اور منافعوں کے لالچ نے ایک دوسرے سے بیگانہ کر دیا اور سود کی لعنت نے تو معاشرے اور سوسائٹی کے ان اجزاء کو منتشر اور پراگندہ کر کے رکھ دیا۔

معاشی حیثیت

معاشی نقطہ نظر سے دیکھئے تو سودی قرض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو ذاتی ضرورت کے لئے کوئی مجبور اور حاجتمند لیتا ہے۔ یہ قرض ایسا ہے کہ اس پر سود لینا نہایت تباہ کن ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جس میں مہاجن لوگ یا ادارے غریب مزدوروں' کاشتکاروں اور قلیل معاش لوگوں کا خون چوستے نہ ہوں۔ ایسا قرض سود کی وجہ سے ادا کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ پھر ایک قرض کی ادائیگی کے لئے دوسرا اور تیسرا قرض لیتے چلے جاتے ہیں' اصل رقم سے کئی گنا سود دینے پر بھی اصل رقم جوں کی توں باقی رہتی ہے۔ محنت پیسہ آدمی کی بیشتر آمدنی مہاجن لے جاتا ہے اور اس غریب کے پاس اپنی کمائی کا اتنا پیسہ بھی نہیں بچ پاتا کہ وہ اپنے بچوں کا پیٹ پال سکے۔ یہ چیز رفتہ رفتہ معاشرے کے افراد کو اپنے کاموں میں دلچسپی ختم کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ کیونکہ جب اس کی محنت کا پھل دوسرے لے اڑیں تو وہ دل لگا کر محنت نہیں کر سکتا۔ سودی قرضوں کے جال میں پھنسے ہوئے لوگوں کو پریشانی اور فکر اس قدر تباہ کر دیتی ہے کہ تنگدستی کے ہاتھوں نہ صحیح غذا ملتی ہے نہ صحیح علاج ہوتا ہے' ان کی بگڑی ہوئی صحت انہیں معاشرے کا ناکارہ انسان بنا دیتی ہے۔ سودی معاشرے میں چند

افراد لاکھوں آدمیوں کا خون چوس کر موٹے ہو جاتے ہیں مگر بحیثیت مجموعی پوری قوم کی پیدائش دولت اپنے معیار سے گھٹی رہتی ہے اور پھر خون چوسنے والے افراد بھی نقصان سے نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ ان کے ہاتھوں عوام کو جو تکلیف پہنچتی ہے ان کے لئے غصے' نفرت کا طوفان دلوں میں اٹھتا ہے اور کسی انقلابی ہیجان کے موقعہ پر یہ آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے تو ان ظالم مالداروں کو اپنے مال کے ساتھ اپنی جان اور آبرو سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

ا۔ سود کی اس دوسری قسم میں کاروبار میں لگانے کے لئے ایک مقررہ شرح سود کے عائد ہونے سے بے شمار نقصانات پیدا ہوتے ہیں' چند یہ ہیں۔

ا۔ جو کام رائج الوقت شرح سود کے برابر نفع نہ لا سکتے ہوں' ملک اور قوم کے لئے کتنے ہی ضروری ہوں' ان پر لگانے کیلئے روپیہ نہیں ملتا تو ملک کے تمام مالی وسائل کا بہاؤ ایسے کاموں کی طرف ہو جاتا ہے جو بازار کے شرح سود یا اس سے زیادہ منافع لا سکتے ہوں۔ چاہے اجتماعی حیثیت سے ان کی ضرورت اور فائدہ کم ہو یا سرے سے نہ ہو۔

۲۔ چونکہ سرمایہ دینے والا کاروبار کے نفع و نقصان میں شریک نہیں ہوتا بلکہ منافع اور وہ بھی ایک مقرر شرح منافع کی ضمانت پر روپیہ دیتا ہے۔ اس لئے کاروبار کی بھلائی اور برائی سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ خود غرضی کے ساتھ اپنے منافع پر نگاہ رکھتا ہے اسے جب بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ منڈی پر کساد بازاری کا حملہ ہونے والا ہے تو وہ اپنا روپیہ کھینچنے کی فکر کرتا ہے۔ اس طرح اس کے خود غرضانہ اندیشوں کے باعث کساد بازاری کا واقعی حملہ ہو جاتا ہے اور اگر دوسرے اسباب سے کساد بازاری آگئی تو سرمایہ دار کی خود غرضی اس میں اضافہ کر کے اسے تباہ کن حد تک پہنچا دیتی ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فی الواقع اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کی رو سے سود معاشی دولت کو بڑھاتا نہیں بلکہ گھٹاتا ہے۔ اس کے برعکس صدقات کے معاشی اثرات پر نظر ڈالئے۔ سوسائٹی کے خوشحال افراد کا طریق کار یہ ہو کہ وہ اپنی معیشت کے مطابق پوری فراخدلی سے اپنی اور اہل و عیال کی ضروریات خریدیں' جو روپیہ ضروریات سے بچ جائے اسے غریبوں میں صدقات اور زکوٰۃ کے طور پر تقسیم کریں تاکہ وہ بھی ضروریات خرید سکیں۔ پھر بھی روپیہ بچ جائے تو کاروباری لوگوں کو بلا سود قرض دیں یا کاروبار میں نفع و نقصان کی بنیاد پر شرکت کریں یا حکومت کے پاس جمع کر دیں کہ وہ اجتماعی خدمات کے لئے استعمال کرے تو ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ ایسی سوسائٹی میں تجارت' صنعت اور زراعت بلکہ ہر چیز کو فروغ حاصل ہو گا۔ اس کے عام افراد کی

خوشحالی کا معیار بلند ہوتا چلا جائے گا اور اس میں ملکیت مجموعی دولت کی پیداوار بدرجہا زیادہ ہوگی، جس کے اندر سود کا رواج ہے۔

دولت اللہ کا فضل ہے

سود پر روپیہ وہی شخص چلا سکتا ہے جسے اس کی حقیقی ضرورت سے زیادہ دولت کا حصہ ملا ہوگا اور یہ زیادہ حصہ۔ قرآن کی رو سے دراصل اللہ کا فضل ہے اور اللہ کے فضل کا صحیح شکریہ یہ ہے کہ اسے جس طرح اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے وہ بھی اللہ کے دوسرے بندوں پر فضل کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ اللہ کے اس فضل کو دوسروں کے خون چوسنے اور ان کی کمائی کے زیادہ ترحصے کو اپنی طرف کھینچنے میں استعمال کرتا ہے تو وہ ناشکرا بھی ہے، ظالم بھی اور جفاکار بھی ہے۔

آیت زیر موضوع میں اللہ تعالٰی نے بار بار دو قسم کے کرداروں کو پیش کیا ہے۔ ایک خود غرض، زرپرست، شایلاک قسم کے کردار ہیں جو خدا اور مخلوق دونوں کے حقوق سے بے پرواہ ہو کر روپیہ گننے اور گن گن کا سنبھالنے، ہفتوں اور مہینوں کے حساب سے اسے بڑھانے اور بڑھوتری کا حساب لگانے میں مصروف ہوتے ہیں۔ دوسرا کردار خدمت پرست، فیاض اور ہمدرد انسان کا ہے جو خدا اور مخلوق دونوں کے حقوق کا خیال رکھتا ہے۔ اپنی قوت بازو سے خود کما کر کھائے، دوسرے خدا کے بندوں کو کھلائے، نیک کاموں میں لگائے، پہلا کردار خدا کو سخت ناپسند ہے۔ ایسے کردار سے کوئی صالح سوسائٹی وجود میں نہیں آسکتی، آخرت میں ایسے کردار کے لئے غم واندوہ کے سوا کچھ نہیں۔ دوسرا کردار اللہ کو پسند ہے اس سے صالح سوسائٹی اور معاشرہ وجود میں آتا ہے اور ایسے ہی لوگ آخرت میں غم سے نجات پانے والے اور فلاح پانے والے ہوں گے۔

اسی رکوع میں اگلی آیات میں جو زمانہ نزول کے لحاظ سے فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہیں، مگر مضمون کی مناسبت سے اسی سلسلہ کلام میں شامل کر دی گئی ہیں۔ یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین۔ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم روس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ○ (البقرہ ۲۷۸، ۲۷۹) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو، لیکن تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کرو اور سود لینا چھوڑ دو، اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو۔ تم ظلم نہ کرو

نہ تم پر ظلم کیا جائے"

ان آیات سے پہلے اگرچہ سود کھایا جاتا تھا' لیکن اسے ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا' لیکن قانوناً" بند نہیں کیا گیا تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد اسلامی حکومت کے دائرے میں سودی کاروبار فوجداری جرم بن گیا۔ عرب کے جو قبیلے سود کھاتے تھے' حضور ﷺ نے انہیں اپنے عمال کے ذریعہ آگاہ کر دیا کہ اگر اس لین دین سے باز نہ آئے تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔ نجران کے عیسائیوں کو جب اسلامی حکومت کے تحت اندرونی خود مختاری دی گئی تو معاہدے میں یہ تشریح کر دی گئی کہ اگر تم سودی کاروبار کرو گے تو معاہدہ فسخ ہو جائے گا اور ہمارے تمہارے درمیان حالت جنگ قائم ہو جائے گی۔ اس آیت کے آخری الفاظ کی بنیاد پر ابن عباس رضی اللہ عنہ' حسن بصریؒ' ابن سیرینؒ اور ربیع بن انسؒ کی رائے یہ ہے کہ جو شخص اسلامی حکومت میں سود کھائے تو اسے توبہ پر مجبور کیا جائے' اگر باز نہ آئے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ دوسرے اسلامی قانون کے ماہرین کی رائے میں سود خوار کو قید کر دینا کافی ہے جب تک وہ سود خواری چھوڑنے کا وعدہ نہ کرے نہ چھوڑا جائے۔

سورہ النساء کی آیت ۱۶۱ میں یہودیوں کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ واخذھم الربوا وقد نھوا عنہ یہ سود کھاتے ہیں حالانکہ انہیں سود کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ تورات میں یہ صریح حکم موجود ہے۔ "اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو' قرض دے تو اسے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا۔ اگر تو کسی وقت اپنے ہمسایہ کے کپڑے گروی رکھ بھی لے تو سورج ڈوبنے تک اسے واپس کر دینا' کیونکہ وہی اس کا اوڑھنا ہے' اس کے جسم کا وہی لباس ہے' پھر وہ کیا اوڑھ کر سوئے گا۔ پس جب وہ فریاد کرے گا تو میں اس کی سنوں گا۔ کیوں کہ میں مہربان ہوں" (خروج باب ۲۳'۲۵'۲۷)۔ اس کے علاوہ کئی مقامات پر توراۃ میں سود کی حرمت کا حکم آیا ہے' لیکن اس کے باوجود اسی توراۃ کے ماننے والے یہودی آج دنیا کے سب سے بڑے سود خوار ہیں اور اپنی تنگدلی و سنگدلی کے لئے ضرب المثل بن چکے ہیں۔

ارشادات رسول ﷺ اور سود

1۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے قرآن کریم میں بیان کردہ سود کی حرمت کو اور زیادہ اصرار کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں جن میں سے ایک معمولی سا حصہ یہ ہے کہ اس کا گناہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی

CamScanner

والدہ سے جماع کرے۔ (ابن ماجہ' بیہقی' مشکوۃ)

2۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہے کہ جب کوئی کسی کو قرض دے تو پھر قرض لینے والے سے کوئی ہدیہ قبول نہ کرے کہ وہ ہدیہ اس قرض پر سود نہ بن جائے۔ (بخاری و مشکوۃ)

امام ابو حنیفہ ایک مرتبہ کسی نماز جنازہ میں شریک ہوئے تو تھوڑی دیر تک انتظار کے لئے قریبی دیوار کے سائے میں کھڑے نہ ہوئے۔ کسی نے کہا کہ حضرت دیوار کے سائے میں آ جائیں دھوپ سخت ہے تو فرمایا۔ اس دیوار کا مالک میرا مقروض ہے ایسا نہ ہو کہ اس کی دیوار کا سایہ قرض پر سود بن جائے۔

3۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ سوائے سود کھانے والوں کے کوئی باقی نہ رہے گا' اگر کوئی ہو گا بھی تو اس کو سود کا بخار۔ اثر۔ پہنچے گا۔ ایک روایت میں ہے' اس تک سود کا غبار پہنچے گا۔ (مسند احمد' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' مشکوۃ' راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)۔ آج کل اس حدیث شریف کی صداقت کا یہ عالم ہے کہ معاشرے کا کوئی فرد بھی سود خواری سے پاک نہیں ہے۔ ملازمین جی پی فنڈ پر سود لیتے ہیں۔ تاجر پیشہ بنکوں میں مقررہ شرح لیتے ہیں۔ محکمہ ڈیپازٹ بانڈز' زرعی قرضہ جات' ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن' محکمانہ ذاتی ضرورت کے لئے لیا گیا قرضہ' غرض کوئی بھی ایسا نہیں جو سود خواری سے محفوظ ہو' ورنہ اس کا غبار تو ہر ایک آدمی تک پہنچا ہوا ہے۔

4۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر اس کے کھلانے والے یعنی دینے والے پر اس کے رکھنے والے' اس کے گواہ پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں بعض باتوں میں۔ (بخاری و مسلم)

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت نے سود اور اس سے متعلق تمام کاروبار کو ناجائز قرار دیا ہے۔ خدا کرے یہ فیصلہ عملی صورت میں نافذ ہو اور پاکستان سے سود کی لعنت ختم ہو جائے اور ہم سب خدا کے غضب اور غصے سے نجات پا سکیں۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

درس حدیث

بدی کی کثرت سے ہلاکت

مالک انہ بلغہ ان ام سلمہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت یا رسول اللہ انھلک و فینا الصلحون۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم اذا کثر الخبث

ترجمہ! "حضرت مالکؒ کہتے ہیں کہ انہیں روایت پہنچی ہے کہ ام سلمہؓ زوجہ رسول اللہ ﷺ نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ حالانکہ ہمارے اندر نیک لوگ موجود ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں جب بدی کثرت سے پھیل جائے" (المسوی کتاب الرقاق)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کے موجود رہنے سے بلا ٹلتی رہتی ہے کیوں کہ کچھ لوگ ان کو دیکھ کر برائی سے بچتے ہیں اور کچھ لوگ ان کی وعظ و نصیحت سے برے کام چھوڑ کر اچھے کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ حضرت سلمہؓ ام المومنین کا سوال یہ تھا کہ کیا نیک لوگوں کے ہوتے ہوئے اس کا امکان ہے کہ کوئی بسی یا کوئی قوم ہلاکت کا شکار ہو جائے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ اس کے جواب میں انہیں سمجھاتے ہیں کہ اس صورت میں عذاب یا تو اس وجہ سے آتا ہے کہ لوگ اچھے لوگوں سے ملنا چھوڑ دیتے ہیں۔ نکمے لوگوں کے ساتھ سارا وقت گزارتے ہیں اور ہر وقت خراب شغلوں میں مشغول رہتے ہیں نیک لوگ تو جب انہیں دکھائی دیں جب وہ مسجدوں میں جائیں اور پابندی کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھیں تاکہ اس سے ان کے دل میں ان کی دیکھا دیکھی خود بھی نیک کام کرنے کا شوق پیدا ہو۔ جماعت سے نماز پڑھنے کا ایک بڑا فائدہ یہی ہے کہ مسجد میں پابندی کے ساتھ جانے سے اچھے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے ملنے جلنے کا موقعہ ملتا ہے اور ان کا اثر طبیعت پر

پڑتا ہے اور رفتہ رفتہ بری صحبت چھٹ جاتی ہے۔

یا پھر عذاب اس وجہ سے بھی آتا ہے کہ یہ دیکھ کر عوام ان کے پاس نہیں آتے ہیں اور عوام برائیوں میں گرفتار ہو گئے ہیں، یہ نیک بندے خود بھی ان سے کھنچنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان کو چاہیے کہ خود لوگوں کے پاس جاکر انہیں اچھے کام کرنے کی تلقین کریں۔ پہلی صورت میں عام لوگ اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں دوسری صورت میں نیک لوگ اپنے کام سے غفلت کرتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں ایک نہ ایک طرف قصور پایا جاتا ہے۔ نیک لوگوں کا عوام میں موجود ہونا ہی کافی نہیں بلکہ یا تو لوگ خود ان کے پاس آئیں اور نیکی کی باتیں سیکھیں اور زیادہ عوام کے درمیان جاکر نیک کام سکھائیں۔

اسلام نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا قاعدہ مقرر کر کے پانچ وقت سب کے ملنے جلنے کی صورت نکال دی ہے۔ پھر جمعہ کے دن خطبہ ضروری قرار دے دیا ہے۔ تاکہ سب لوگ باہم اکٹھے ہوں اور اچھوں کا اثر بروں پر پڑے اور وہ اپنی برائی سے باز رہیں اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ نماز کو جو بری باتوں سے روکنے کا ذریعہ بتایا ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ اچھے لوگوں کے اثر سے برے لوگوں کے سنورنے کا امکان پیدا ہوتا ہے اگر باہم اکٹھے ہونے کی کوئی صورت نہ ہوئی تو پھر برے اور بھی برے ہوتے چلے جائیں گے اور شرم و حیاء بالائے طاق رکھ دیں گے۔

دین محبت

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

آپ سب بھائی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے سلسلے کی تعلیم میں توحید اور محبت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ بانی سلسلہ ؒ نے قرآن و سنت کے مطابق ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات ہر لحاظ سے واحد اور بے مثل سمجھو۔ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرو نہ کوئی توقع رکھو۔ نہ کسی پیر' فقیر' امام' ولی یا نبی کو کسی حیثیت سے اللہ کا شریک جانو۔ تمام علماء کرام اور بزرگان کی عزت کرو' ان کی صحبت سے دلوں کا نور حاصل کرو اور انکی کی خدمت کر کے ان کی دعائیں لو۔ جو لوگ مقربین بارگاہ ہیں ان کی کرامات کو برحق سمجھتے ہوئے بھی مشکل کشا اور حاجت روا صرف اللہ کی ذات کو جانو۔ اہل اللہ سے کشف و کرامات کے صدور کے باوجود اتباع صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کا کرو جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور قرب و رضا کے متلاشیوں کے لئے کامل ترین نمونہ قرار دیا ہے۔ اس بات کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ حضور ﷺ خلق عظیم کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہیں اور ازل سے ابد تک کوئی بشر کسی بھی نیکی اور خوبی میں حضور ﷺ سے افضل ہوا ہے اور نہ ہی ہو گا۔ آپ کا خلق ہر نقص اور خامی سے پاک تھا اس لئے اخلاق حسنہ کا کمال دیکھنا ہو تو حضور ﷺ کی ذات اقدس کے سوا کہیں اور نظر نہ آئے گا۔ اس اصول کو یاد رکھیں کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا بزرگ اور ولی اللہ ہو لیکن اس کے اخلاق و عادات میں اگر کوئی ایسی بات نظر آئے جو حضور ﷺ میں نہیں تھی تو سمجھ لیں کہ یہ اس بزرگ میں خامی ہے۔ اسی طرح کوئی بات جو حضور میں تو موجود تھی لیکن کسی بزرگ میں نہیں ہے تو اسے بھی اس بزرگ کی کمی ہی جانئیں۔ کیونکہ کمال کا معیار حضور سید الانبیاء ﷺ ہیں جن کا خلق ہر نقص اور خامی سے پاک تھا۔ اس لئے جو بھی صاحب کمال ہو گا وہ حضور کے رنگ میں رنگا ہوا ہو گا۔ سلسلہ توحیدیہ کے طریقہ پر سلوک طے کرنے والوں کا ہدف کشف و کرامات' سلب امراض اور تعویذ گنڈوں سے علاج ہر گز نہیں ہے بلکہ

ہمارا مقصود قرآن و سنت کی تعلیم کے مطابق اور کثرت ذکر کی پابندی کرتے ہوئے اللہ کے قرب اور دیدار کا حصول ہے۔ روحانیت کا یہ بلند مقام تسلیم و رضا اور اللہ کی محبت کے رنگ میں رنگے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اور تمام حقوق العباد ادا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت کو تمام مخلوقات کی محبت پر مقدم رکھیں۔ روزانہ زندگی میں جو بھی حالات پیش آئیں انہیں اللہ کی طرف سے سمجھتے ہوئے ہر حال میں خوش رہنے کی عادت ڈالیں۔ قطع ماسواء اللہ توکل علی اللہ اور تبتل الی اللہ کی مشق کرتے ہوئے اللہ کی محبت کو بڑھاتے ہوئے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد حضور نبی کریم ﷺ اور پھر اپنے مرشد کی محبت کو اپنا شعار بنائیں۔ کسی بھی انسان کو دکھ' رنج' تکلیف یا نقصان نہ پہنچائیں۔ بلکہ خدمت' اصلاح اور فلاح کے کام کو سب سے بڑی نیکی جانیں۔ جن لوگوں نے اسلامی انقلاب کی روح اور حضور نبی کریم ﷺ اور صوفیاء کرام کے فیض صحبت کے اثرات کا بنظر عمیق مطالعہ کیا ہے یا کسی اللہ والے کی مجالس میں حاضر ہو کر روحانی فیض کا عملی تجربہ حاصل کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کی محبت اہل محبت کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ جس طرح علم اہل علم سے' فن اہل فن سے اور ہنر اہل ہنر سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دل میں اللہ کی محبت کی جوت کسی اہل دل کی نظر اور توجہ ہی سے جگائی جا سکتی ہے حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال فرماتے ہیں۔

می نہ روئید تخم دل از آب و گل
بے نگاہے از خداوندان دل

یعنی اللہ تعالیٰ نے روز الست ہی اپنی محبت کا جو بیج ہر انسان کی روح میں ڈال دیا تھا وہ مٹی اور پانی سے نہیں اگتا بلکہ اسے اہل دل یعنی اللہ والوں کی نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہی درحقیقت بزرگوں کا اصل کام ہے کہ انسانوں کے دلوں میں اللہ کی چھپی ہوئی محبت کو بیدار کر کے انہیں اللہ کی محبت اور اطاعت کے صراط مستقیم پر ڈال دیں۔ ہمارے سلسلے کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "تعمیر ملت" میں تحریر فرماتے ہیں۔ "یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں سلوک اور معرفت و حکمت کی افادیت کے متعلق خود ہمارا جو خیال ہے وہ بھی ظاہر

کر دیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ حکمت یا تصوف اشرف اور افضل ترین علم ہے۔ اس سے حقیقت الاشیاء معلوم ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ عقل سلیم اور فراست کاملہ پیدا ہوتی ہے۔ روحیں نظر آنے لگتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اور دوسرے انبیائے عظام کی زیارت میسر آتی ہے۔ عالم مثال کی سیر اور انوار و تجلیات کا نظارہ ہوتا ہے۔ کشف و کرامات کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ مادہ پر تصرف حاصل ہو جاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حضرت احدیت کی معرفت اور حضوری سے انسان مشرف ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ سب کچھ مل جانے کے باوجود بھی اگر کوئی عارف امت محمدیہ کی اجتماعی ترقی اور کامیابی کے لئے کچھ نہ کرے تو وہ اپنی ذات کے لئے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ملت اسلامیہ کے لئے بیکار ہے۔ ملت کو آج ایسے بزرگوں کی ہرگز ضرورت نہیں جو تعویز گنڈوں اور دم درود سے کچھ مریضوں کو تندرست کر دیں یا چند غریب ان کی دعا سے امیر کبیر بن جائیں یا کچھ لوگ مقدمے جیت جائیں یا چند بے اولادوں کے اولاد پیدا ہو جائے یا کچھ کفار و مشرکین مسلمان ہو کر ملت کی تعداد میں بیکار لوگوں کا اضافہ کر دیں۔ آج کل تو ضرورت ایسے اولیاء کی ہے جو فاسق و فاجر مسلمانوں کو سچا مسلمان اور سچے مسلمانوں کو پکا مومن اور موحد بنا سکیں۔ جو اپنی تعلیم و توجہ سے مسلمانوں میں ایسی فراست و بصیرت پیدا کر سکیں کہ وہ اپنے تمام تفرقے اور اختلافات مٹا کر ایک جان اور ایک قالب کی طرح مربوط و متحد ہو جائیں، حق و باطل میں تمیز کر سکیں، سستی اور کاہلی چھوڑ کر کام کرتے رہنا سیکھیں۔ اللہ اور رسول ﷺ کی سچی محبت کا جنون ان کے لئے سرمایہ دانش ہو۔ وہ بقائے ملت کے لئے جان و مال قربان کرنا اپنی زندگی کا مقصد جانیں اور ہر طرف سے اپنا منہ موڑ کر صرف اللہ کی طرف کر لیں"

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جب کوئی مرد کامل مل جائے تو اس کے روحانی فیض سے دل میں چھپا ہوا محبت کا بیج پھوٹ پڑتا ہے جس سے دل سراپا نور ہو جاتا ہے۔ دل میں چنبے کی بوٹی لگ جاتی ہے کہ جب ذکر کی آبیاری سے اس پر بہار آتی ہے تو انسان کی نس نس میں محبت کی خوشبو بس جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی اطاعت میں لطف آنے لگتا ہے۔ اللہ کے ذکر سے دل کو اطمینان کی دولت عطا ہوتی ہے۔ نمازیں اللہ کی حضوری والی اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بن

جاتی ہیں۔ اللہ کی محبت سے قلب و روح کو وہ انوکھی لذت ملتی ہے کہ انسان دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہو کر دائمی مسرت جیسی نعمتوں سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ اپنی مخلوق کے ساتھ ستر ماؤں سے بھی زیادہ مہربان ہے اور جو انسان جتنا زیادہ اللہ کا مقرب ہوتا ہے اتنا ہی وہ اس کی مخلوق کے ساتھ پیار کرتا ہے۔ بنی نوع انسان میں سے اللہ کا سب سے زیادہ قرب حاصل کرنے والی ذات حضور رسالت ماب فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہے۔ آپ اللہ کے قرب کے جس مقام پر پہنچے وہاں نہ کوئی پہنچا نہ ہی پہنچ سکے گا۔ دوسرے تمام انسانوں کی معراج کا انحصار حضور کے اتباع کے مدارج پر ہے۔ یہی وجہ ہے اللہ کے بعد اللہ کی مخلوق کے لئے سب سے زیادہ محبت آپ کے دل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی رؤف و رحیم اور رحمت اللعالمین کے خطابات سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب و رضا کے طالب اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہوتے ہیں کہ اس کائنات کی تخلیق کا باعث ہی محبت ہے۔ محبت ہی وہ امانت تھی جس کے اٹھانے سے زمین اور آسمان ڈر گئے لیکن حضرت انسان نے اسے اٹھا لیا کیونکہ اسے پیدا ہی اللہ کی عبادت یعنی محبت و اطاعت کے لئے کیا گیا تھا۔ اللہ کے دین کی اساس بھی محبت ہی ہے اور تمام عبادات کی روح بھی یہی ہے۔ محبت کے ساتھ انجام دیئے گئے چھوٹے چھوٹے اعمال بھی اللہ کے ہاں مقبول ہو کر مغفرت کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر ارکان اسلام میں اللہ کی محبت شامل نہ ہو تو سب کچھ رد کر دیا جاتا ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ

شوق تیرا گر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

انسان کی زندگی کا مقصود اللہ تعالیٰ کا قرب اور دیدار حاصل کرنا ہے۔ دین کے اوامر و نواہی کا مقصود ہی یہ ہے کہ انسان خواہشات نفس اور ہوا و ہوس کا غلام بننے کی بجائے صرف اللہ کا عبد یعنی

غلام بن جائے۔ اس کا تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو جائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی صفات کا رنگ چڑھ جائے۔ اس کے دل سے دنیا کی محبت نکل جائے اور اس کی جگہ اللہ اور اس کے رسول اور اس کی مخلوق کی محبت گھر کر جائے۔ حضور رحمت اللعالمین ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے اور اللہ کی محبت ہر نیکی اور خوبی کا منبع ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ خرابی کی جڑ دنیا کو نہیں بلکہ دنیا کی محبت کو فرمایا گیا ہے۔ دنیا اور اس میں جو کچھ بھی ہے اسے تو پیدا ہی انسان کے لئے کیا گیا ہے اور انسان کو زمین کی خلافت کے لئے خلق فرمایا گیا ہے اور اس منصب پر فرشتوں اور جنوں کو بھی رشک آیا تھا۔ اس لئے خرابی دنیا میں نہیں ہے بلکہ اس کی محبت میں پھنس کر اللہ کو بھول جانے میں ہے۔ انسان کا کمال کمال انسانیت پر فائز حضور سید الانبیاء ﷺ کا اتباع کرتے ہوئے اللہ کی محبت کا حصول ہے۔ جو انسان اللہ کی محبت کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اس سے عفو و درگزر، حلم و برداشت، سخاوت و ایثار اور مدد و خدمت جیسے فضائل کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ حضور نے جب بھی مثالی مومن کی پہچان کے بارے میں ارشاد فرمایا تو ہمیشہ دوسرے انسانوں کے ساتھ اس کے رویے اور برتاؤ کو ہی برتری کا معیار قرار دیا۔ آپ نے اللہ کی محبت کے حصول کے لئے اللہ کی مخلوق کی خدمت کا راستہ دکھایا۔ اللہ کے دین میں تمام عبادات اور کثرت ذکر کا مقصود ہی یہ ہے کہ اس سے اخلاقی رذائل زائل ہوتے چلے جائیں اور ان کی جگہ فضائل پیدا ہو جائیں۔ اللہ کی راہ میں جیسے جیسے انسان آگے بڑھتا ہے ویسے ویسے اس میں انسانوں کی خدمت کا جذبہ بھی ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ حضور محسن انسانیت ﷺ نے حسن اخلاق محبت و مودت اور تکریم انسانیت کو ہی ایمان کا پیمانہ قرار دیتے ہوئے جو ارشادات فرمائے وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ چند اقوال ملاحظہ ہوں۔

☆ ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی نیکی انسانوں سے محبت کرنا ہے۔

☆ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرے۔

☆ اپنے غلاموں کے بارے میں محتاط رہو۔ ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور انہیں وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔

☆ خدا کی قسم تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرو جو اپنی ذات کے لئے کرتے ہو۔

☆ اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں۔

پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ کون! آپ نے ارشاد فرمایا وہ شخص جس کے پڑوسی اس کی شر سے محفوظ نہ ہوں۔

☆ تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

☆ سب سے اچھا انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کو نفع پہنچائے۔

☆ قیامت کے روز مومن کے نیکیوں والے پلڑے میں سب سے وزن والی چیز خوش خلقی ہو گی۔

☆ جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ منافق ہے۔

1۔ امانت میں خیانت کرے۔

2۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔

3۔ وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔

4۔ جب کسی سے جھگڑے تو گالی دے۔

اسی ضمن میں حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ کے سامنے ایک صحابی نے کسی آدمی کی ایمانداری کی تعریف کی تو آپ نے انہیں ٹوکتے ہوئے دریافت فرمایا کہ کیا آپ اس شخص کے پڑوس میں رہتے ہیں؟ کیا آپ نے اس سے کبھی کوئی لین دین کیا ہے؟ کیا آپ نے اس کی مصیبت میں کوئی طویل سفر کیا ہے؟ اس صحابی نے نفی میں جواب دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب ان میں سے کوئی ایک بھی موقع اسے پرکھنے کا آپ کو نہیں ملا تو آپ اس کی پارسائی کی گواہی کیونکر دے سکتے ہیں؟

ہمارے ہادی و مرشد معاملات و اخلاق کی اہمیت واضح کرنے کے لئے "تعمیر ملت" میں لکھتے ہیں۔

CamScanner

"ایمان' عقائد اور عبادات سب کی غرض و غایت یہ اور صرف یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں راحت اور آرام کی زندگی حاصل ہو اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک انسان معاملات میں صادق اور اخلاق میں کامل نہ ہو جائے بالفرض کوئی آدمی پانچ وقت نہیں بلکہ دس وقت نماز پڑھے' مہینہ بھر نہیں سال بھر روزے رکھے' ہر سال حج کرے اور زکوۃ دے لیکن دوسرے لوگوں کے متعلق اپنے فرائض ادا نہ کرے مثلاً" بیوی بچوں کو نان و نفقہ سے تنگ رکھے' لوگوں کا مال دھوکے سے ہضم کر جائے' غیبت کرے' جھوٹ بولے' چوری کرے' رشوت لے' فرائض منصبی دیانتداری سے ادا نہ کرے' کم تولے' کم ناپے' لوگوں کو لڑائے اور قوم میں تفرقہ ڈلوائے۔ تند خو' مغرور اور مغلوب الغضب ہو' دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھے اور ان سے سیدھے منہ بات کرنا اپنی توہین جانے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ مرتے ہی جنت میں چلا جائے گا؟ اور ان بد اعمالیوں کی سزا نہ پائے گا۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
شراب روح پرور ہے محبت نوع انساں کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبو رہنا
یقین محکم عمل پیہم' محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلام ہے اسیر امتیاز ماو تو رہنا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

(جاری ہے)

خواجہؒ کے خطوط

(خالد مسعود توحیدی)

1۔ تبلیغ کی اہلیت

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 14/12/1959)

"ابھی آپ تبلیغ نہیں کر سکتے کیونکہ آپ تبلیغ کے اہل نہیں ہیں۔ خود کامل بن جانے کے بعد ہی آپ تبلیغ کے اہل ہوں گے۔ خود کامل بننے کی کوشش کرو اور تبلیغ کے خیالات فی الحال نفی کر دو۔ دوسری بات یہ کہ تبلیغ کے لئے ظاہری علوم کی بھی ضرورت ہے۔ اس لئے تفاسیر' احادیث اور فقہ بھی پڑھنا ہو گا اور اگر آپ تبلیغ ماڈرن تعلیم یافتہ آدمیوں کو کریں گے تو موجودہ زمانے کے علوم اور سائنس بھی پڑھنا پڑے گا۔ یہ سب تبھی ہو سکتا ہے جب پیٹ کی طرف سے بے فکری ہو۔ اگر آپ کو اس طرف سے فراغت ہے تو پھر ان علوم کا مطالعہ شروع کر دیں۔ اگر نہیں تو پہلے دنیا کو ٹھیک کرنے کی کوشش کریں اور لوگوں کو انکے حال پر چھوڑ دیں انکا خدا انکا ذمہ دار ہے۔ صرف روحانیت اور دنیا پہلے درست کر لیں پھر آگے سوچیں۔ قرآن مجید کا مطالعہ بہت ضروری ہے ضرور کریں۔ تہجد جب ہو سکے تو پڑھ لیا کریں نہ ہو تو فکر نہ کریں۔ رفتہ رفتہ سب ہو جائے گا۔ جلدی نہ کریں ورنہ خرابی ہو گی"

2۔ تبلیغی پمفلٹ

(بنام محمد صدیق ڈار 1963-1-13

"حلقہ کی تبلیغ کے لئے چھوٹے چھوٹے پمفلٹ کون لکھے۔ میری صحت اتنی نہیں ہے۔ روزانہ آپ لوگوں کے جو خط آتے ہیں انہیں ہی جواب دینے کو کئی گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں۔ آج 10 بجے سے خط لکھ رہا ہوں اب ساڑھے بارہ بجے ہیں اور ابھی پانچ خط جواب دینے کو باقی ہیں وہ کتاب بھی یونہی پڑی ہے لکھی ہی نہیں جاتی۔ آپ لوگوں میں سے کوئی پمفلٹ لکھے تو میں درست کر کے چھپوا دونگا۔ حلقہ تو پڑھے لکھے لوگوں کا ہے لیکن لکھنے والا ایک بھی نہیں ہے۔ میں کیا کیا کروں؟ زبانی اور تحریری اصلاح کروں' روحانی شراب پلاؤں' آپ لوگوں کے خانگی مقدمات طے کراؤں؟ کوئی ہاتھ بٹانے والا تو ہے نہیں۔ ماسٹر نذیر صاحب اگر کچھ لکھنے کو تیار ہیں تو بسم اللہ۔ لیکن

مضمون لکھ کر اگر ایک نظر مجھ کو دکھا لیں تو شروع شروع میں بہتر ہو گا۔ آپ میاں محمد علی 'نور بابا'
ستار صاحب' وکیل عبدالعزیز اور دوسرے گریجویٹ بھائیوں کو لکھ کر تحریک دیں دیکھیں کون آمادہ
ہوتا ہے۔ یہ کام آپ خود کریں مجھے کرنے کو نہ کہیں۔ آپ ماسٹر نذیر صاحب کو اجازت دے دیں۔
ان سے کہیں کہ مضمون ہمیشہ ایسا ہو جس میں قرآن اور عقل و اخلاق کی روشنی میں اپنا نقطہ نظر
ثابت اور واضح کیا جائے اور دوسروں پر کوئی اعتراض کسی شکل میں بھی نہ ہو"

3۔ غصہ کی نفی

(بنام محمد طالب صاحب 27/8/1972)

"کچھ عرصہ آپ روزانہ صبح اللہ تعالیٰ سے عہد کریں کہ آج غصہ نہ کروں گا۔ دن میں کئی
مرتبہ اس عہد کو دہراتے رہیں۔ اس کے باوجود اگر غصہ آجائے تو رات کو دو نفل توبہ کے پڑھ کر
اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔ اگلے روز پھر یہی عہد کریں۔ انشاء اللہ کچھ عرصہ بعد غصہ جاتا رہے گا۔
میں بھی دعا کرتا رہونگا"

4۔ اللہ کی معیت اور خود اعتمادی

(بنام محمد قاسم صاحب 15-1-1964)

"آپ میں اللہ کے فضل سے بہت طاقت ہے لیکن آپ کو اپنے اوپر اعتماد نہیں ہے۔ اس لئے
نہ دعا کام کرتی ہے نہ محسوس ہوتی ہے۔ شیر کا بچہ جب جوان ہو جاتا ہے تو اس کو اعتماد اور طاقت کا
علم اس وقت تک نہیں ہو پاتا جب تک وہ کسی بڑے جانور سے مقابلہ کر کے اسے مار نہ لے۔ یہی
حال آپ کا ہے۔ مجذوب ملنگوں اور جلالی و جمالی لوگوں سے آپ کو ڈرنے اور خوف کھانے کی
ضرورت نہیں۔ آپ کسی بڑے سے بڑے سے بھی نہ ڈریں۔ ڈرنے سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔
ورنہ دوسرا چاہے کیسی ہی روحانی طاقت کا مالک ہو کوئی آپ کو یا حلقہ کے کسی آدمی کو نقصان نہیں
پہنچا سکتا۔ اپنے ساتھ اللہ کی معیت کا احساس پیدا کرو۔ اصل میں تم خود اپنی قدر و قیمت نہیں
جانتے"

رشوت کی نیت

(آفتاب احمد خاںؒ)

مجھے بیعت ہوئے ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک شام میں قبلہ صاحبؒ کی حاضری کے لئے گاڑی پر جا رہا تھا۔ گلبرگ مین روڈ پر ایک گاڑی تیزی سے مجھے اوور ٹیک کر گئی۔ میں نے جب غور سے اس گاڑی کے دروازے کو دیکھا تو وہ نیم بند تھا۔ گاڑی سواریوں سے بھری ہوئی تھی جن میں بچے بھی تھے مجھے فوراً خیال آیا کہ اگر اس کا دروازہ کھل گیا تو نقصان ہو سکتا ہے۔ میں نے اپنی گاڑی تیز کر دی تاکہ آگے والی گاڑی کے ڈرائیور کو دروازہ کے بارے میں اطلاع دوں۔ مگر وہ ڈرائیور گاڑی کو اور زیادہ تیز کر دیتا تھا اسی تگ و دو میں دونوں گاڑیاں پولیس کی بچھائی ہوئی سپیڈ وائر سے گذر گئیں میں نے تو پولیس کے اشارے پر گاڑی روک لی دوسری گاڑی والے نے گاڑی نہ روکی اور وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔ پولیس سارجنٹ نے میرا چالان تیز رفتاری کے باعث کر ڈالا۔ میں نے اسے معمولی واقعہ سمجھا اور قبلہ حضرتؒ سے اس کا ذکر نہ کیا۔ دوسرے دن مجسٹریٹ کے ہاں پیشی تھی۔ خیال تھا کہ عدالت سے فارغ ہو کر حضرت صاحبؒ کے ہاں چلا جاؤں گا مگر عدالت میں کافی دیر ہو گئی معلوم ہوا کہ مجسٹریٹ صاحب ہائی کورٹ گئے ہوئے ہیں اور وہاں سے واپس آ کر عدالت میں بیٹھیں گے۔ میں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ انتظار میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک پولیس والا میرے پاس آیا۔ اس کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ میرا چالان اس عدالت میں پیش ہو گا۔ وہ بولا کہ کب تک ایسے بیٹھے رہو گے صرف دس روپے لگیں گے میں آپ کا لائسنس واپس لا دیتا ہوں۔ میں نے قبلہ صاحبؒ کے ہاں حاضری کو مد نظر رکھتے ہوئے دس روپے کا نوٹ نکال کر کہا کہ یہ لیں اور میرا لائسنس لا دیں۔ وہ صاحب چلتے چلتے مجھے کہہ گئے کہ لائسنس لا کر پیسے لوں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئے اور کہنے لگے کہ بابو کھانا کھانے چلا گیا ہے تھوڑی دیر کے بعد آ جائے گا تو کام ہو جائے گا۔ کچھ دیر بعد ہی یہ اعلان ہوا کہ مجسٹریٹ صاحب آج عدالت نہیں لگائیں گے اس لئے تمام حضرات کل تشریف لائیں۔ چنانچہ وہاں سے میں سیدھا دفتر چلا گیا اور یوں میں قبلہ حضرتؒ کے ہاں حاضری نہ دے سکا۔

اگلے روز میں دوبارہ عدالت میں حاضر ہوا۔ اتفاق سے مجسٹریٹ میرا دوست ہی تھا۔ آواز پڑنے پر جب میں حاضر ہوا تو مجسٹریٹ صاحب مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمانے لگے کہ آپ پر تین دفعات لگائی گئی ہیں تیز رفتاری' انشورنس کا نہ کروانا اور رجسٹریشن بک کا نہ ہونا۔ میں نے انشورنس اور رجسٹریشن بک پیش کر دیں اور تفصیل سے بیان کی کہ میری تیز رفتاری کی وجہ کیا تھی۔ مگر مجسٹریٹ صاحب نے فرمایا کہ رفتار تو بہر حال تیز تھی اس لئے دس روپے جرمانہ ادا کریں۔ میں نے جرمانہ کی رقم کلرک کے پاس جمع کرا دی اور وہاں سے فارغ ہو کر سیدھا قبلہ حضرت ؒ کے پاس چلا گیا۔ میں جوں ہی حاضر خدمت ہوا آپ نے پہلا سوال یہی کیا کہ کل کہاں رہے۔ چنانچہ میں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر رشوت دینے کی نیت نہ کرتے تو جرمانہ نہ ہوتا۔ آپ کے اس اشارے سے میرا دماغ چکرا گیا اور مجھے 1947ء میں پاکستان میں داخل ہوتے وقت کا اپنا عہد یاد آگیا کہ مملکت خداداد میں نہ رشوت دونگا اور نہ ہی لونگا۔ اسی لئے میں نے کسٹم کی نوکری کو خیر آباد کہہ دیا تھا۔ قبلہ حضرت ؒ نے فرمایا کہ تم نے رشوت دینے کی نیت کی تھی جس کا کفارہ جرمانے اور سزا نے ادا کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ ہمیشہ عہد کو قائم رکھنا اور حق پر قائم رہنا۔ جہاں محبت اور صداقت کا سامنا ہو تو صداقت کی راہ اختیار کرنا۔ ہر حال میں محبت کو صداقت پر قربان کر دینا چاہئے۔

اطلاع

حلقہ راولپنڈی کے سنیئر بھائی سید شریف الدین پیرزادہ صاحب' حلقہ فیصل آباد کے بھائی محمد سلیم صاحب' حلقہ گوجرانوالہ کے بھائی محمد حسین کے اور حلقہ ککھڑ کے عبدالقیوم ہاشمی کے دادا جان گذشتہ دنوں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سب برادران مرحومین کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔

اصلاح کیسے کی جائے

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری)

برادران حلقہ! آپ کے سامنے ایک بہت بڑا کام ہے اس کو معمولی کام نہ سمجھئے۔ یہ کام لوگوں کے مشرکانہ عقائد کی اصلاح کا کام ہے اور ہر انسان اپنے عقائد کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے اور اصلاح کرنے والوں کی جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ قدم قدم پر مقابلہ کرتا ہے اور رکاوٹیں ڈالتا ہے۔ اچھی طرح یاد رکھئے کہ آپ کو صرف عقائد ہی کی اصلاح نہیں کرنی بلکہ ان بیہودہ و فرسودہ رسوم کو بھی مٹانا ہے جو ہمارے معاشرہ کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے۔ ہوا یہ ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو مسلمان بنانے والے علماء اور صوفیاء نے اسلامی عقائد و عبادات تو سکھا دیئے لیکن ان رسوم کو مٹانے کی مطلق کوشش نہیں کی جو ان میں کفر و جہالت کے زمانہ میں رائج تھیں اور ہزاروں خاندانوں میں آج تک جاری ہیں دراصل رسوم کو مٹانا غلط مذہبی عقائد کی اصلاح سے بھی کہیں زیادہ مشکل ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ رسوم کی والہ و شیدا اور ان کو تقدس کے درجے تک ماننے والی زیادہ تر عورتیں ہوتی ہیں۔ عورتوں کی بھاری اکثریت جاہل اور طبعاً ضدی ہوتی ہے وہ کسی طرح بھی اپنے آباؤ اجداد کی رسوم کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتیں۔ ان کو سمجھانا اور ان کی رسوم کی برائیاں ان کے دل و دماغ میں بٹھا دینا بہت ہی مشکل کام ہے اور یہ میں نے آپ کو پہلے ہی بتا اور سکھا رکھا ہے کہ اصلاح کے کام میں زور ظلم اور زبردستی سے کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی بلکہ کامیابی خدا کے بتائے ہوئے طریقے یعنی حکمت اور حسن تدبیر و نصیحت ہی سے ہوتی ہے اور سو فیصدی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ عوام بلکہ اچھے اور اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ حضرات بھی اس فرمودہ خدا پر عمل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اصلاح کرنے کے لئے تو ایک اعلیٰ کردار اور مخصوص صفات رکھنے والے انسانوں کی ضرورت ہے۔ میں نے آپ کو انہی لائنوں پر تعلیم و تربیت دی ہے اور ہمارے حلقہ کے کافی آدمی اسی کردار کے مالک اور ان صفات اعلیٰ سے موصوف ہیں۔

اصلاح کا کام بلکہ کوئی بھی بڑا کام ہو اس کے کرنے کے لئے سب سے پہلی چیز سچی اور پرخلوص طلب ہے۔ طلب بغیر عمل کی قوت ہی پیدا نہیں ہوتی۔ طلب پیدا ہونے کے لئے علم درکار ہے۔ جب تک آپ کو علم نہیں ہوگا طلب کس طرح پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ کو مسلمانوں کے باطل عقائد اور جاہلانہ رسوم کی اصلاح کرنا ہے تو سب سے پہلے آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ صحیح اسلامی عقائد کیا ہیں جن کی ترویج جا

مسلمانوں میں کرنا ہے اور یہ بات آپ کو صرف قرآن سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے آپ کو قرآن (ترجمہ) پڑھنا چاہئے اور پھر جب صحیح عقائد معلوم ہو جائیں تو خود اپنی اصلاح کرنا اور پھر دوسروں کی اصلاح کے لئے قدم اٹھانا چاہیے۔ قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں بڑا وقت لگتا ہے اس لئے اگر کسی ایسے آدمی کا پتہ لگے جس نے قرآن مطالعہ کر کے صحیح عقائد معلوم کر لئے ہیں اور خود ان پر عمل پیرا بھی ہے تو پھر آپ کو اس شخص سے استفادہ کر کے اس کی پیروی کرنی چاہئے تاکہ آپ کا وقت بچ جائے اور جلد از جلد کام شروع کر سکیں۔ ہادی یا مرشد کی ضرورت اسی لئے ہوتی ہے۔ طلب کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بہت شدید اور خلوص پر مبنی ہو۔ طلب کی شدت یہ ہے کہ آپ کے دل و دماغ پر ہر وقت یہ فکر سوار رہے کہ یہ کام کرنا ہے اور اس کے سوائے دنیا کے اور سارے کام ہیچ نظر آئیں۔ طلب کے لئے دوسری ضروری چیز خلوص ہے خلوص کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام اپنی ذاتی شہرت یا مالی منفعت کے لئے ہرگز نہ کریں بلکہ اس کا شائبہ بھی دماغ میں موجود نہ ہو۔ جو کچھ کرنا ہو محض خدا اور رسول خدا ﷺ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے۔ جب یہ سب کچھ ہو جائے تو اب عمل شروع ہوتا ہے۔ عمل کے لئے ضروری ہے کہ پورے ذوق و شوق اور جوش و خروش سے لگاتار اور پیہم ہو اور اس میں کوئی وقفہ نہ پڑنے پائے کیونکہ وقفے سے جوش اور ذوق میں کمی آجاتی ہے۔ اب آپ جو عمل شروع کریں تو آپ کے سامنے ہر وقت قرآن کی آیت لیس للانسان الا ما سعی موجود رہنی چاہئے۔ کہنے کو تو یہ بہت چھوٹی سی آیت ہے لیکن در حقیقت ان چند الفاظ میں انسانی اعلیٰ کردار کو بنانے کے لئے بہت بڑی حکمت و ہدایت موجود ہے۔ الفاظ کا ترجمہ ہے "انسان کے لئے اس کے سوائے اور کچھ نہیں کہ وہ کوشش کئے جائے" ان الفاظ میں یہ بات مضمر ہے کہ کوشش لگاتار اور پیہم ہو اور سخت ہو۔ یعنی آپ کے راستے میں کیسی ہی رکاوٹیں اور کتنی ہی دشواریاں پیش آئیں۔ آپ بے دل اور مایوس ہو کر کوشش نہ چھوڑ دیں۔ ان رکاوٹوں میں سب ہی کچھ شامل ہو سکتا ہے مثلاً" خانگی پریشانیاں' بے روزگاری' غربت و افلاس' طرح طرح کی بیماریاں' عزیز و اقارب کا برا سلوک' طعنے اور استہزا وغیرہ' دشمنوں کی مخالفت اور ایذا رسانی' جسمانی تکالیف' مار ڈالنے کی دھمکیاں اور جان جانے کا خطرہ وغیرہ وغیرہ۔ آپ کی صداقت' طلب اور خلوص کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے ثبات میں لغزش نہ آئے آپ کے ارادے اور جوش عمل میں کمزوری واقع نہ ہو بلکہ آپ پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش سے قدم بڑھاتے چلے جائیں۔ اگر واقعی جان جانے کا خطرہ سامنے آئے تب بھی آپ کا پاؤں واپس رکھنے نہ پائے۔ اس وقت آپ قرآن کی اس آیت کو یاد کریں کہ "ہر

فرد اور قوم کی موت کا ایک وقت مقرر ہے اور جو وقت مقرر ہو چکا ہے موت اس سے نہ تو ایک منٹ پہلے آسکتی ہے نہ بعد میں"۔ یہ ہے ایک انسان کامل کا کردار۔ مومن اسی طرح کام کیا کرتے ہیں۔

دوسری ہدایت اس آیت میں یہ ہے کہ تمہارے لئے صرف کوشش ہے۔ نتیجہ پر تم کو کوئی اختیار نہیں وہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم لگاتار کوشش کرتے رہو لیکن یہ کبھی بھی خیال نہ کرو کہ نتیجہ بھی وہی نکلے گا جو تم چاہتے ہو۔ اس لئے اگر نتیجہ تمہاری مرضی کے مطابق نکلے تو سبحان اللہ۔ خدا کا شکر ادا کرو لیکن اگر نتیجہ تمہاری مرضی کے خلاف نکلے تو بے دل مت ہو۔ حوصلہ مت ہارو۔ پھر کوشش کرو اس وقت تم کو قرآن کی اس آیت کی طرف رجوع کرنا چاہئے جس میں خدا نے فرمایا ہے کہ "تم ایک چیز کو اپنے لئے پسند کرتے ہو لیکن خدا اس کو تمہارے لئے پسند نہیں کرتا" اس لئے اگر وہ چیز تم کو نہ ملے یا وہ مقصد پورا نہ ہو تو یوں سمجھو کہ اگر وہ چیز تم کو مل جاتی تو یقیناً نقصان رساں اور تکلیف دہ ہوتی۔ اس پر بھی شکر ادا کرو کہ اللہ نے تم پر بڑا فضل کیا کہ ایک بڑی تکلیف و پریشانی سے بچا لیا۔ برادران حلقہ مجھے خود اپنی زندگی میں کئی مرتبہ ایسے مواقع پیش آئے کہ میں نے ایک دعا مانگی اور وہ قبول ہو گئی لیکن یہ میرے لئے نہایت نقصان دہ اور باعث پریشانی ہوا۔ اور میرا پچھلا ماضی کا کیا کرایا سب تباہ و برباد ہو گیا۔ ویسے بھی قرآن میں ہے کہ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو۔ درحقیقت یہ ہے وہ حقیقی رجائیت (آپٹی مزم) کی تعلیم جو قرآن مسلمانوں کو دے رہا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے تو قرآن کو گلدستہ طاق نسیاں بنا دیا ہے اسے کوئی دیکھتا تک تو ہے نہیں، تعلیم پر عمل تو بہت دور کی بات ہے۔ زیادہ تر لوگ صرف عربی عبارت پڑھتے ہیں پھر اسے چوم کر رکھ دیتے ہیں۔ ان غریبوں کو کیا معلوم کہ اس میں زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنانے کے کیسے کیسے نادر خزانے بھرے پڑے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ ہم یوں غافل پڑے ہیں اور دوسری اقوام انہی خزانوں کے تصرف سے ساری دنیا پر غالب آگئی ہیں اور اب آسمانوں کو فتح کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اگر کسی مسلمان سے سائنسی انکشافات اور نئی نئی حقیقتوں کی دریافت کا ذکر کیا جائے تو یہ بڑے فخر سے گردن اکڑا کر کہہ دیتا ہے کہ "یہ تو ہمارے قرآن میں بھی ہے" یہ اتنا نہیں سوچتا کہ "ہے" "تو تجھ کو کیا"۔ "پدرم سلطان بود"۔ فائدے تو نامسلم اٹھا رہے ہیں اور تم اسی طرح لنگوٹی میں پھاگ کھیلنے پر مگن ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

میں نے ابھی جو کچھ کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپکو رجائی (آپٹومسٹ) بننا چاہئے یعنی ہر حالت میں خوش اور پر امید رہنا چاہئے' بے حوصلگی اور مایوسی کو قریب بھی نہیں آنے دینا چاہئے۔ اسی ضمن میں رجائیت اور قنوطیت کے متعلق میں آپ کو ایک ایسی بات بتاتا ہوں جو عوام کو تو کیا خواص میں سے بھی شاذو نادر ہی کسی کو معلوم ہو گی۔ سائنس دانوں کی تازہ دریافت یہ ہے کہ انسان کے جسم سے ہر وقت لہریں نکل کر فضاء میں منتشر ہوتی رہتی ہیں اور انہی لہروں کے ذریعہ ایک انسان اپنے خیالات دوسرے کے ذہن میں ڈال سکتا اور دور دراز کے مقامات تک اپنے دوستوں کو پیغام بھیج سکتا ہے اسی کو وہ ٹرانسفارمیشن آف تھاٹس (انتقال خیالات اور ٹیلی پیتھی کہتے ہیں) اور یہ اشغال آج یورپ کے بے شمار لوگ کر رہے ہیں مسمریزم اور ہپناٹزم کی پریکٹس بھی انہی لہروں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ یعنی انہی لہروں کے ذریعہ اپنے خیال کو معمول کے دماغ تک پہنچا کر اس کو نوم مقناطیسی میں مبتلا کر دیتا اور پھر اس کے دلی حالات معلوم کر لیتا ہے۔ ہپناٹزم کے ذریعہ صرف خیالات کی طاقت سے بہت سے امراض کا علاج بھی کیا جاتا ہے۔ یہ علاج روحانی کے نام سے مشہور ہے اور یورپ میں اب عام ہوتا جا رہا ہے۔ سائنس دانوں کو ابھی ان لہروں کا اتنا ہی علم حاصل ہوا ہے لیکن صوفی خصوصاً" عارف اس بات کو ہمیشہ سے جانتے ہیں اور وہ ان لہروں کو اپنے مریدوں کے خیالات و اعمال بدل کر اصلاح کرنے کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں وہ لہروں یا شعاؤں کے الفاظ استعمال نہیں کرتے۔ لیکن وہ یہ ضرور جانتے ہیں کہ انسان کے الفاظ اور خیالات جو منہ سے نکلتے ہیں یا دماغ میں آتے ہیں وہیں ختم نہیں ہو جاتے بلکہ ہمیشہ اوپر چڑھتے رہتے ہیں اور عرش عظیم تک جا پہنچتے ہیں یہ بات ہم کو آج سے چودہ سو برس پہلے قرآن حکیم نے بتائی تھی' چنانچہ ارشاد ہوتا ہے الیه یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه "یعنی اللہ کی طرف بڑھتے ہیں کلمات پاکیزہ اور نیک عمل بلند کرتا ہے عامل کے مرتبہ کو" بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے دماغ میں جو خیالات آتے ہیں یا ہماری زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ لہروں کی شکل میں منتقل ہو کر اگر نیک ہوں تو عرش عظیم تک چڑھتے ہیں اور علیین میں ہر شخص کے اپنے پرسنل فائل میں لکھ دیئے جاتے ہیں وہ الفاظ اگر نیک نہ ہوں تو نیچے کی طرف نزول کرتے ہیں اور سجین میں ریکارڈ کر دیئے جاتے ہیں۔ الفاظ اور خیالات کی طرح نیک اور بد اعمال جو اوپر چڑھتے یا نیچے کی طرف نزول کرتے ہیں ان کی تصاویر لی جاتی ہیں اور قیامت کے دن ہر شخص کو دکھائی جائیں گی۔ قرآن حکیم میں ہے۔ فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره ○ یعنی مثقال برابر نیکی ہو یا بدی قیامت کے دن تم کو سب کی تصویریں دکھائی جائیں گی۔ الغرض

یہ ہے ان لہروں کا کام اور مستقر۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر انسان کے داہنے اور بائیں کندھے پر ایک ایک فرشتہ رہتا ہے۔ داہنے والا اس کے نیک عمل اور بائیں والا اس کے برے عمل لکھتا رہتا ہے ان کو کراماً کاتبین کہتے ہیں ایک دوسری حدیث میں ہے کہ یہ کراماً کاتبین صرف ایک دن کام کر کے واپس چلے جاتے ہیں اور پھر قیامت تک کبھی نہیں آئیں گے۔ اس طرح ہر روز نئے فرشتے آتے اور کام کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ان لہروں کو فرشتہ کہا اور در حقیقت یہ ہیں بھی فرشتے۔ لاکھوں قسم کے فرشتے ہیں جو کائنات میں اپنے اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ فرشتہ کیا ہے؟ در حقیقت فرشتے خدا کے ایجنٹ ہیں جو خدا کی دی ہوئی طاقت سے اپنا اپنا مقررہ کام کرتے رہتے ہیں۔ اللہ اکبر کیا نظام اور کیا اعلیٰ انتظام ہے۔ علیین اور سجین کتنے بڑے ریکارڈ آفس ہیں جہاں ابتدائے جہاں ابتدائے آفرینش سے قیامت تک ہر پیدا ہونے والے انسان کے رتی رتی خیالات، الفاظ اور اعمال کا ریکارڈ محفوظ رہتا ہے۔ سائنس دان بے چارہ کیا بتائے گا جو خدائے علیم و حکیم نے قرآن میں ہم کو بتا دیا اور حکم دیا کہ ہماری آیتوں پر غور کیا کرو۔ لیکن افسوس کہ ہم قرآن کو ہاتھ تک نہیں لگاتے، پڑھنا اور غور کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

اب میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان لہروں کا ماخذ اور ٹرانسمیٹر انسان کا قلب ہے جس آدمی کا قلب نیکی، پارسائی اور خدا کے ساتھ قلبی تعلق کی وجہ سے طاقتور ہوتا ہے۔ جو قرآن کریم کے حکم کے مطابق ہمیشہ خوش رہتا ہے نہ کسی سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہے جو بڑے سے بڑے صدمہ کا اپنے قلب پر اثر نہیں ہونے دیتا، جو کبھی رنجیدہ اور مایوس نہیں ہوتا۔ مختصراً یہ کہ جو رجائی یا آپٹی مسٹ ہوتا ہے اس کی یہ لہریں نہایت طاقتور اور تیز رفتار ہوتی ہیں۔ ایسا آدمی جب اپنے دل میں کسی دوسرے شخص کے متعلق خیال کرے کہ وہ فلاں فلاں کام کرے اور فلاں فلاں باتیں چھوڑ دے تو اس کا خیال لہروں کے ذریعہ فوراً مرسل الیہ کے دماغ تک پہنچتا ہے اور اس کے خیالات کو بدل دیتا ہے اور وہ وہی کچھ کرنے لگتا ہے جو لہریں بھیجنے والا چاہتا ہے۔ مثلاً اگر کسی دفتر کا کوئی ادنیٰ ترین چپڑاسی یہ چاہے کہ ڈپٹی کمشنر صاحب اپنے پاس آنے والے اہل معاملہ پہ غصہ نہ ہوں یا گالیاں نہ دیں تو یقیناً ڈپٹی کمشنر صاحب کا دماغ بدل جائے گا اور اہل معاملہ سے نہایت شرافت اور خوش اخلاقی سے پیش آنے لگیں گے یا مثلاً ایک مکمل پیر یہ چاہے کہ اس کا فلاں مرید غصہ، نفرت، جھوٹ اور شراب چھوڑ دے تو یقیناً مرید کی یہ بد عادتیں دور ہو جائیں گی۔ ان لہروں کے لئے فاصلہ کوئی چیز نہیں ہے۔ مرسل الیہ سامنے بیٹھا ہوا یا ہزاروں میل کے فاصلہ پر انگلینڈ یا

امریکہ میں ہو برابر اثر کرتی ہیں البتہ پیر صاحب کے قلب کی طاقت اس کے لئے ضروری ہے۔ جتنی طاقت پیر صاحب کے قلب میں ہوگی اتنی ہی دور تک اور اتنی ہی جلدی اصلاح ہو جائے گی اسی کو توجہ کہتے ہیں۔ توجہ دینے والے پیر تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو مرید کو صرف سامنے بٹھا کر توجہ دے سکتے ہیں یہ کامل کہلاتے ہیں' دوسرے وہ جن کے لئے فاصلہ کوئی چیز نہیں۔ کرہ زمین پر جہاں بھی ان کا مرید ہو اس تک توجہ پہنچ جاتی ہے یہ مکمل کہلاتے ہیں۔ رجائی کا بیان ہم کر چکے ہیں اب رہ گئے قنوطی تو چونکہ ہر وقت رنج والم اور رحمت خدا سے مایوسی کی وجہ سے ان کا قلب نہایت کمزور ہوتا ہے اس لئے ان کی لہریں بھی کمزور ہوتی ہیں اور کسی کے دماغ پر اثر نہیں کر سکتیں۔ ان کو نہ کوئی عزیز رکھتا ہے نہ ان کا کہنا مانتا ہے وہ ہمیشہ پریشان اور ناکام و نامراد رہتے ہیں۔ برادران حلقہ! میں آپ کے سامنے ایک ایسا راز فاش کرتا ہوں جو اس سے پہلے کسی نے بیان نہیں کیا اب آپ کی مرضی ہے کہ رجائی بن کر خوشی' خوشحالی اور کامیابی کی زندگی بسر کریں یا قنوطی بن کر ناکام و نامراد مرجائیں۔

مصلحین کے لئے قوت برداشت کی بھی بڑی ضرورت ہے اس کے بغیر اصلاح کے میدان میں ایک قدم بھی آگے بڑھنا ممکن نہیں۔ عجب بات تو یہ ہے کہ جس کی آپ اصلاح کرنا چاہیں وہ ہی آپ کا دشمن ہو جاتا ہے یہ بالکل وہی بات ہے کہ ایک شخص گندگی اور غلاظت میں لوٹ رہا ہے اس کو آپ وہاں سے نکال کر تازہ اور پاک پانی سے غسل کرانا' اچھے کپڑے پہنانا اور ان کو عطر سے بسانا چاہتے ہیں۔ تو وہی آپ سے لڑنے لگتا ہے۔ پاک صاف رہنا برا سمجھتا ہے اور اسی غلاظت میں لوٹتے رہنا پسند کرتا ہے۔ اصلاح کرنے والوں کی قدم قدم پر مزاحمت کی جاتی ہے۔ ان کو گالیاں دی جاتی ہیں ان کا مقاطعہ کیا جاتا ہے' مارا پیٹا جاتا ہے اور کیا کچھ تکلیف نہیں دی جاتی۔ اگر اصلاح کرنے والا پہلے ہی مقابلہ میں بے حوصلہ ہو جائے' ڈر جائے یا اس کو غصہ آجائے تو قیامت تک اصلاح کا کام نہ کر سکے گا۔ سرور دو عالم ﷺ کی شروع کی ۱۳ سال کی زندگی جو مکہ معظمہ میں گزری اس کا ایک ایک دن ہمارے سامنے ہے جب سے حضور اکرم ﷺ نے اعلائے کلمۃ اللہ کا کام شروع کیا اسی دن سے مخالفت شروع ہو گئی سب سے زیادہ دشمن آپؐ کے عزیز واقارب ہی تھے۔ رفتہ رفتہ تمام مکہ دشمن ہو گیا۔ کون سی اذیت تھی جو آنحضرت ﷺ کو نہیں دی گئی۔ گالیاں دی جاتی تھیں' تھپڑ' مکے اور پتھر مارے جاتے تھے۔ راستہ میں کانٹے بچھائے جاتے تھے۔ آپؐ کے جسم اطہر پر غلاظت اور گندگی پھینکی جاتی تھی ایک دفعہ آپؐ سجدے میں تھے آپؐ کے سر پر اونٹ کی اوجھری رکھ دی گئی جو اتنی وزنی تھی کہ آپ ﷺ سر نہ اٹھا سکتے تھے۔ آپ ﷺ کو بھوکا مارنے کی

تدبیریں کی گئیں آپ ﷺ کا مقاطعہ کیا گیا اور آخر میں آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی گئی اور رات کے وقت آپ ﷺ کے مکان پر حملہ کیا گیا۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو پہلے ہی بذریعہ وحی خبردار کر دیا تھا اور آپ ﷺ صاف بچ کر نکل گئے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن کیا کبھی حضور اکرم ﷺ کے پائے ثبات میں لغزش آئی؟ کیا آپ ﷺ نے ایک دن بھی تبلیغ دین متین کا کام بند کیا؟ علاوہ ازیں کیا آپ ﷺ نے کبھی گالی کے بدلے گالی دی؟ یا پتھر کے بدلے پتھر مارا یا کسی کو بددعا دی؟ بالکل نہیں قطعاً نہیں ہرگز نہیں۔ سب سے عجیب تر بات تو یہ ہے کہ اگرچہ زیادتی کے بدلے زیادتی نہ کرنا بھی بڑی ہمت کا کام ہے مگر یہ سمجھ میں آسکتا ہے سمجھ سے بالا تر بات تو یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے دل میں بھی کبھی اپنے دشمنوں کی طرف سے برائی پیدا نہیں ہوئی ورنہ وہ وہیں اور اسی وقت تباہ و برباد ہو جاتے۔ آج آنحضرت ﷺ کے غلاموں کے غلام ایسے ہیں کہ ان کے دل میں اگر کسی کے لئے برائی آجائے تو اس کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ یہ ہمت اور یہ برداشت انبیاء علیہ السلام کے لئے ممکن ہے۔ دوسرے کے بس کی بات نہیں۔

اس لئے جب تک قوت برداشت پیدا نہ ہو جائے اصلاح کے لئے قدم نہیں بڑھانا چاہئے اور یہ قوت برداشت ہمارے حلقہ کی تعلیم کے مطابق صرف ان لوگوں میں پیدا ہو سکتی ہے جو غصہ کو نفی کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ غصہ سے عقل جاتی رہتی ہے اور جب عقل ہی نہ رہے تو آدمی جو بھی کام کرتا ہے الٹا ہی کرتا ہے۔ سب ہی جانتے ہیں کہ اگر دو آدمی شطرنج کھیلتے ہوں اور ان میں سے ایک کو غصہ دلا دیا جائے تو بازی پر بازی ہارتا چلا جاتا ہے یا جب عدالت میں بحث کرتے ہوئے کسی وکیل کو غصہ دلایا جائے تو وہ بجائے باقاعدہ اور مدلل بحث کرنے کے الٹی سیدھی باتیں کرنے لگتا ہے اور مقدمہ ہار جاتا ہے' میدان جنگ میں اگر جنرل کو غصہ آجائے یا وہ دشمن کی سخت گولہ باری یا اچانک حملے سے گھبرا جائے تو لڑائی ہار جائیگا۔ دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے سیاستدان' سائنسدان اور مشہور جرنیل گزرے ہیں سبھی نہایت حلیم اور بردبار تھے۔ فریق مخالف ان کے خلاف کچھ ہی کیوں نہ کہتے ان کو غصہ نہ آتا تھا۔ نیوٹن کی بابت مشہور ہے کہ وہ کوئی بہت ہی اہم کتاب لکھ رہا تھا اس زمانے میں بجلی نہ تھی میز پر مٹی کے تیل کا لیمپ جل رہا تھا۔ نیوٹن تھوڑی دیر کے لئے کہیں گیا۔ اس کے پیچھے اس کا کتا چھلانگ مار کر میز پر چڑھ گیا اس کے چڑھنے سے لیمپ ٹوٹ گیا اور سارے کاغذات جو لکھے تھے جل کر راکھ ہو گئے۔ نیوٹن جب واپس آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ برسوں کی محنت ضائع ہو گئی۔ لیکن اس کے ابرو پر بل بھی نہ آیا۔ کہا تو اتنا کہا کہ "پیارے جیک تم کو معلوم نہیں یہ تو نے کیا کر دیا۔" یہاں یہ حال ہے کہ آپ کو نوکر یا کوئی معصوم چھوٹا سا بچہ بھی آپ کا شیشہ یا رکابی

توڑ دے تو آپ اس کو مارتے مارتے بے حال کر دیتے ہیں۔ معمولی معمولی باتوں پر چاقو نکال لیتے ہیں اور لوگ قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ اخبارات میں ایسے دو چار واقعات روزانہ آتے ہیں۔ کیا آپ کی قوم اس قابل ہے کہ کبھی متحد ہو سکے یا کوئی بڑا کام کر سکے۔ مصطفیٰ کمال پاشا کی سوانح عمری میں پڑھا ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں جب انگریزوں نے گیلی پولی میں ترکوں پر حملہ کیا تو اتاترک کا چھوٹا سا خیمہ ایک پہاڑی چوٹی پر نصب تھا اور وہیں سے وہ اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔ جب دشمن کی گولہ باری نے زور پکڑا اور گولے اس کے خیمہ سے دس بیس گز کے فاصلہ پر گرنے لگے تو ماتحت افسروں نے بڑا زور لگایا کہ خیمہ پیچھے ہٹا لیا جائے مگر وہ بہادر سپاہی ذرا بھی ہراساں نہ ہوا۔ اسی جگہ بیٹھا فوج کو لڑاتا رہا یہاں تک کہ انگریزوں کو دنیا کی سب سے بڑی شکست فاش کھانی پڑی اور اتاترک نے دنیا سے اپنا لوہا منوا لیا۔ یہ سب کرشمہ قوت برداشت کا ہی تھا جو اس نے پیدا کیا تھا۔

برادران حلقہ آپ کو اصلاح کا کام کرنا ہے اس لئے اپنے حلقہ کی تعلیم کے مطابق غصہ بالکل ختم کر دو۔ قلب میں پاس انفاس کے ذریعہ روحانی طاقت کو بڑھاؤ پھر دیکھو کہ تم کتنی جلدی کامیاب ہوتے ہو۔

اصلاح کرنے والوں میں ایک اور صفت ہونا بھی ضروری ہے اور وہ ہے "زبان پر قابو" زبان کے دو کام ہیں کھانا اور بولنا۔ کھاتے وقت زبان پر قابو یہ ہے کہ حرام چیز نہ کھاؤ۔ اس سے تمہارا قلب مسخ اور تمہاری روحانی طاقت ختم ہو جائے گی۔ زبان کا دوسرا کام بولنا ہے اور یہی بولنا اصلاح کے لئے گفتگو کرتے وقت ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ "اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور حسین الفاظ میں نصیحت کر کے بلاؤ" اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی تم اصلاح کرنا چاہتے ہو اس کو اس کے کسی عیب کی وجہ سے ہرگز برا بھلا نہ کہو۔ مثلاً کوئی شرابی شراب پیئے ہوئے تمہارے پاس آئے وہ نشے میں ہو اور اس کے منہ سے بدبو آ رہی ہو تو یوں مت کہو کہ ملعون، مردود، فاسق، فاجر شراب پیتا ہے۔ چھوڑ اس بد عادت کو۔ تو دوزخ کا ایندھن بنے گا۔ ایسا کہنے سے وہ بہت برا مانے گا اور آئندہ تم سے کبھی بات بھی نہ کرے گا پھر تم اس کی اصلاح کس طرح کر سکو گے اس لئے ایسے موقع پر اس طرح برداشت کرو جیسے کہ کوئی بات ہی نہیں۔ اس سے محبت و شفقت سے پیش آؤ اور کوشش کرو کہ وہ تمہارا دوست بن جائے اور بار بار تمہارے پاس آنے لگے پھر کسی دن جب اس کے ساتھ اور آدمی بھی موجود ہوں اور تمہاری روحانی کیفیت بھی اچھی ہو تو اس کی طرف مخاطب بھی مت ہو۔ ایسے بن جاؤ کہ گویا تم جانتے ہی نہیں کہ وہ شراب پیتا ہے پھر دوسرے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر شراب کی برائیاں بیان کرو

اور اللہ و رسول کا حکم شراب کی حرمت کے متعلق لوگوں کو سناؤ۔ اس ان ڈائرکٹ تقریر اور نصیحت کا اثر اس پر یقیناً" اور شرطیہ ہو گا اور اگر پہلی ہی مرتبہ نہیں تو کم از کم دو چار مرتبہ تمہاری نصیحت سننے کے بعد شراب سے توبہ کر لے گا۔ یہ ہے وہ حسین زبان اور یہ ہے وہ حکمت جو ایسے موقعہ پر تم کو برتنی چاہئے۔ اس کے علاوہ اصلاح کے لئے کبھی کسی پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرو۔ اس کا ہر عیب اور ہر زیادتی برداشت کرو۔ بحث ہرگز ہرگز کبھی نہ کرو بحث سے سوائے تضیع اوقات کے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ یوں دلوں میں کدورت آجاتی ہے۔ اگر کوئی شخص بحث کرنے پر بہت ہی مصر ہو تو جیسا کہ میں پہلے بھی کسی خطبہ میں بتا چکا ہوں، اس سے نہایت عاجزی سے معافی مانگو اور کہدو کہ "ہمارے مسلک میں بحث قطعاً" منع ہے۔ آپ اپنے مسلک پر چلتے رہیں ہم خوش، ہم کو ہمارے مسلک پر چلنے دو۔ آؤ باد جو وازیں ہم آپس میں دوست رہیں۔ یہ سب فروعی باتیں ہیں۔ اس کے لئے دلوں میں عناد کیوں پیدا کیا جائے"۔ مگر یہ تم اسی وقت کہہ اور کر سکو گے۔ جب کہ تم نے غصہ اچھی طرح نفی کر دیا ہو اور قوت برداشت بدرجہ اتم پیدا ہو گئی ہو۔

ہمارے حلقہ کی تعلیم کے مطابق اصلاح کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ تم لوگوں سے نہایت محبت اور خلوص سے پیش آؤ۔ ظاہری اور بناوٹی محبت نہیں۔ حقیقی محبت کرو جیسا کہ تم کو بتایا اور سکھایا گیا ہے عالمگیر محبت کو اپنا شعار بناؤ اس لئے جس سے بھی ملو حقیقی محبت کے جذبہ سے ملو۔ اگر کبھی ضرورت پڑے اور تم کو توفیق ہو تو چھوٹی موٹی کوئی خدمت لوگوں کی کر دیا کرو اور دل میں یہ خواہش پیدا کرو کہ اس شخص کی اصلاح ہو جائے اگر تم دل سے ایسا چاہو گے تو تمہارے قلب سے جو لہریں نکلیں گی اس کے دماغ کو متاثر کئے بغیر نہ رہیں گی (جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے) وہ رفتہ رفتہ تمہاری ہربات ماننے لگے گا اور اس کی اصلاح ہو جائے گی اصلاح ہمیشہ خدا کے واسطے کرنی چاہئے۔ تمہاری اپنی ذاتی غرض اس سے وابستہ نہ ہو۔

اچھا اب میں تم سب کو اللہ کے حفظ و امان میں دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ تم سب اللہ کے مقبول بندے بن جاؤ۔ اب پیارے برادران حلقہ تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ اپنے آستانہ سے محبت کرو۔ اس کے استحکام اور سربلندی کے لئے کوشاں رہو۔ اگر تم سب ایسا کرو گے تو یاد رکھو کہ انشاء اللہ اسی آستانہ سے توحید کے آفتاب عالمتاب کی روشنی پھوٹے گی جو پاکستان کے چپہ چپہ کو توحیدی یعنی مومن اور محسن بنادے گی۔ (خطبہ نمبر9 بحوالہ! چراغ راہ)

ڈی این اے کی تشکیل

(قاضی اختر)

پیر 26 جون ----- تاریخ عالم کا ایک یادگار دن بن گیا۔ جب انسان کتاب زندگی کے اوراق پر ثبت خفیہ تحریر کا مفہوم جاننے میں کامیاب ہو گیا۔ دو بڑی طاقتوں کے سربراہوں امریکی صدر بل کلنٹن، برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے انتہائی مسرت، طمانیت سے اور فاتحانہ لہجے میں یہ خوشخبری دنیا کو سنائی کہ انسان اللہ تعالیٰ کی سب سے حسین تخلیق یعنی زندگی کے سربستہ اسرار کھولنے میں کامران ہو گیا ہے۔ دنیا بھر کے 18 ملکوں کے متعدد سائنسدان گذشتہ دس برسوں سے اس کوشش اور جدو جہد میں مصروف تھے کہ وہ کس طرح انسانی ڈی این اے (DNA) میں موجود تین ارب سالموں کی "منظم ترتیب" کے ذریعے جنیاتی کوڈ کا معمہ حل کر سکتے ہیں۔ اس کوشش کو "HUMANGENOME PROJECT" کا نام دیا گیا اور اس منصوبہ پر لاکھوں ڈالر خرچ کئے گئے۔ ان سائنسدانوں کو یقین تھا کہ اگر وہ انسان کے جنیاتی کوڈ کا سراغ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ باآسانی معلوم کر سکیں گے کہ کس فرد کو اپنی زندگی میں کس قسم کے امراض لاحق ہو سکتے ہیں۔ اسکا موجودہ جسمانی نظام کس حالت میں ہے۔ اس مقصد کے لئے انہیں تین ارب انفرادی کیمیائی حصوں کی "منظم ترتیب کا بالکل صحیح تعین" کرنا تھا۔ 26 جون 2000ء جدید میڈیکل ریسرچ کی تاریخ کا ایک یادگار دن تھا جب گزشتہ دس برسوں سے یہ معجز نما اعلان کیا کہ انھوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ انسان کا ایک سادہ سا "جینیاتی نقشہ" تیار کر لیا ہے۔ جدید میڈیکل ریسرچ اور سائنس کا یہ ایک ایسا انقلاب آفریں کارنامہ ہے جس کے اثرات انسانی معاشرے پر نہایت دور رس اور دیرپا ہونگے۔ ایک سائنس دان نے کہا "اب ہم انسانی تاریخ کے اس مقام تک پہنچ گئے ہیں جہاں پہلی بار ہمارے ان احکامات اور ہدایات کا ایک ایسا مجموعہ موجود ہے جن کے تحت انسانی جسم وجود میں آتا ہے" انسانی جسم میں مختلف قسم کے لاکھوں تانے بانے ہیں ہر حصے کی ساخت اور اس کے خواص اسے سونپی گئی ذمہ داریوں کے عین مطابق ہیں چنانچہ اس کرہ ارض پر موجود ہر جاندار قدرت کی عطا

کردہ مخصوص ہدایات اور احکام کے مطابق عمل کرتا ہے یہ تمام ہدایات خلیوں یعنی (CELLS) کے مرکزی حصے نیوکلس میں بند DNA کی شکل میں محفوظ ہوتی ہیں۔ DNA کائنات کا انتہائی پیچیدہ سالمہ ہے جو بذات خود تین ارب چھوٹے سالموں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایسا ہر چھوٹا سالمہ ڈی این اے کی بنیاد کہلاتا ہے۔ حیات کا پوشیدہ راز اور خفیہ کوڈ بھی یہی ہے جس طرح کمپیوٹر میں تمام ہدایات اور معلومات محفوظ ہوتی ہیں بالکل اسی طرح ڈی این اے میں بھی حیات کا پیچیدہ کوڈ بھرپور طریقے سے کارفرما ہوتا ہے جسے طبی اصطلاح میں "جنیاتی کوڈ" کہا جاتا ہے۔ بیماری، صحت، مزاج، خواص، عادات و اطوار، رجحانات، میلانات، رنگ و نسل غرض کہ انسان کی تمام موروثی اور انفرادی خصوصیات اسی جنیٹک کوڈ کی موہون منت ہیں جسے ڈی این اے کی صورت دی گئی ہے۔ ڈی این اے کا براہ راست تعلق انسان کی موروثی اور تولیدی صلاحیتوں اور خصوصیات سے ہوتا ہے۔ آیئے یہ جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ (Genome) سے آخر کیا مراد ہے؟ ڈی این اے کی وہ کلی اور مجموعی مقدار جو کسی بھی ذی حیات کے خلیوں میں موجود ہے اسے GENOME کہا جاتا ہے۔ تین بلین میں دو بلین سالموں کی صحیح اور درست گنتی اور شناخت اس سے قبل کی جا چکی تھی جو انسانوں میں ڈی این اے کی تشکیل کرتے ہیں۔ انسانی جسم کے ہر خلیے میں، جلد سے پٹھوں اور جگر تک (خون کے سرخ خلیوں کے سوا) ڈی این اے کی ایک کاپی ہمیشہ موجود ہوتی ہے۔ اس کامیابی کی صورت میں یہ بھی ممکن ہو سکے گا کہ کسی بچے کی شکل و صورت، ذہنی اور جسمانی ساخت، شخصیت، مزاج اور دیگر خصوصیات کا رحم مادر ہی میں پیشگی تعین کیا جا سکے۔ اس طرح انسانی جسم اور زندگی کا بنیادی تشکیلی خاکہ اور نقشہ سمجھ لینے کے بعد ہم نوع انسانی کی اشرف المخلوقات ہونے کا راز بھی دریافت کر لیں گے۔ یہ خیال بھی بے حد دلکش ہے کہ ڈاکٹر ہمارے GENES کا ایک قطرہ شیشے کے ٹکڑے پر رکھتے ہی یہ معلوم کر لیا کریں گے کہ ہمارے مثانے کا بڑھا ہوا غدود جس میں کینسر کی علامات موجود ہیں درحقیقت جان لیوا ہے یا نہیں؟ یا بلڈ کینسر کی صورت میں کون سی دوا ہمارے لئے کارگر ثابت ہوگی۔ اسی طرح ہمارے بچوں کی Genes کا تجزیہ نہ صرف مکمل ہو سکے گا بلکہ ہم یہ بھی جان پائیں گے کہ آگے چل کر انہیں دل کی بیماری لاحق ہوگی تو ان کے بچنے کے کتنے امکانات ہوں گے۔

HUMAN GENOME PROJECT III کو امریکہ ' برطانیہ ' چین ' فرانس اور جاپان نے مل کر تیار کیا تھا۔ اس کامیابی کی بدولت میڈیکل سائنس و علاج اور ادویات کی دنیا میں ایک بہت بڑی تبدیلی رونما ہوگی کیونکہ اب ہر شخص کے انفرادی اور مخصوص جنیاتی کوڈ کے مطابق اسکے لئے الگ دوا تیار کی جائے گی اور کسی بھی مرض کے ظاہر ہونے سے بہت پہلے ہی اس کی نشاندہی اور تشخیص کی جاسکے گی۔ انسانی جنیوم GENOME کی ترتیب کے مطابق کسی بھی مہلک بیماری کا علاج کیا جاسکے گا کیونکہ انسان کے GENOME تک پہنچنے کا نقشہ اور راستہ اب دریافت ہو چکا ہے چنانچہ اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ انسان کے جنیٹک کوڈ کو مقررہ وقت سے پہلے ہی مکمل کر کے ایک ایک جینز کی شناخت کرلی جائے گی کہ ان میں سے کون کون سا جینز جسم کے کس حصے کو کنٹرول کرتا ہے۔ انسان کے جنیٹک کوڈ کا نقشہ بنا کر اس سلسلے کا پہلا بڑا مرحلہ مکمل ہو چکا ہے۔ اس تاریخی واقعے کے سلسلے میں وہائٹ ہاؤس میں منعقدہ ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے امریکہ کے صدر بل کلنٹن نے کہا "بلا شبہ نوع انسانی کی پوری تاریخ میں بنایا جانے والا یہ ایک اہم ترین اور حیرت انگیز نقشہ ہے" انہوں نے اس کارنامے کو مزید سراہتے ہوئے مزید کہا " آج ہم اس زبان کا علم حاصل کر رہے ہیں جس میں خداوند تعالیٰ نے یہ زندگی کی تخلیق کی ہے۔ یہ بیشتر انسانی امراض کی تشخیص اور علاج کے حوالے سے ایک بڑا انقلاب ہے"۔ انسان کے جنیٹک کوڈ کو اسمبل کرنے کے بعد اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ پا کنسن ' ذیابیطس اور کینسر جیسے مہلک امراض کی جنیاتی جڑوں کا خاتمہ کر کے ان بیماریوں کا شافی علاج دریافت کیا جاسکے گا۔ نئی ادویات کی مدد سے آزمائشی طور پر لیوکیمیا اور چھاتی کے سرطان میں مبتلا مریضوں کا علاج پہلے ہی شروع کیا جا چکا ہے۔ ان ادویات کی مدد سے متاثرہ خلیوں کو ختم کر کے صحت مند خلیوں کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر ان بیماریوں کا بھی علاج کیا جاسکے گا۔ نیشنل ہیومن جنیوم ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے سربراہ ڈاکٹر فرانس کولنز نے بجا طور پر کہا ہے کہ " آج ہم نے کتاب زندگی کے تمام اسرار و رموز جان لئے ہیں" ان تمام ملکوں کے سائنسدانوں نے دس برسوں کی مسلسل جدوجہد ' محنت اور تلاش کے بعد انسانی زندگی کا "بلیو پرنٹ" تیار کر کے جدید میڈیکل سائنس کو ایسی کلید فراہم کر دی ہے جو بالخصوص موروثی اثرات اور مہلک بیماریوں کے بھید کھول کر رکھ دے گی۔ اس انکشاف نے ایسی بیماریوں کے علاج کا راستہ بھی کھول دیا ہے جو اب تک ناقابل

علاج بھی جانی تھیں مثلاً "امراض قلب، ہیموفیلیا اور کینسر وغیرہ۔ برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے اس موقع پر کہا۔ "یہ میڈیکل سائنس کا ایک ایسا انقلاب ہے جس کے اثرات انفتی بائیٹک ادویات کی دریافت سے بھی گہرے اور دور رس ثابت ہو نگے۔ یہ اکیسویں صدی کی پہلی نمایاں و عظیم کامیابی ہے" "اس عظیم تجربہ کی کامیابی کے مثبت پہلوؤں کے شانہ بشانہ اس کے چند منفی مگر دلچسپ پہلو بھی سامنے آ رہے ہیں مثلاً" یہ تشویش کہ اب لوگوں کو اپنی زندگی کا بیمہ کرانے سے پہلے جنیاتی ٹیسٹ کی رپورٹ پیش کرنا ہو گی ظاہر ہے انشورنس کمپنیاں ایسے افراد کی زندگی کا بیمہ ہرگز نہیں کریں گی جن کے کسی مرض میں مبتلا ہونے یا قبل از وقت مرجانے کا اندیشہ ہو۔ یہ تشویش بھی ظاہر کی جا رہی ہے کہ آجر حضرات اس قسم کی معلومات کو امتیازی نقطہ نظر سے اپنے ملازمین کی تقرری اور ہر ترقی کے سلسلے میں استعمال کر سکتے ہیں۔ سب سے زیادہ دلچسپ تشویش جو اس سلسلے میں پائی گئی یہ ہے کہ GENOME کا علم حاصل کر لینے کے بعد حکومت اسپیشل قسم کے ایسے انسانوں کی تخلیق کر سکتی ہے جو انتہائی غیر معمولی ذہانت کے حامل ہوں۔ اس پروجیکٹ کو تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھنے والوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس منصوبے کی کامیابی کی صورت میں کسی بھی انسان کی زندگی پردہ اخفاء میں نہیں رہ سکے گی اور یوں انسان اپنی نجی زندگی کی خلوتوں سے محروم ہو جائے گا۔ ایسے ہی نکتہ چینوں کا خیال ہے کہ اگر میڈیکل سائنس نے انسانی جسم اور زندگی کے سربستہ اوراق کھول دیئے تو دنیا کو ایک غیر معمولی اخلاقی بحران کا سامنا کرنا پڑے گا۔ غالباً" یہی سبب تھا جس کی بناء پر امریکی صدر بل کلنٹن نے اپنی تاریخی تقریر میں دنیا بھر کی اقوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ "آیئے ہم سب مل کر اس عظیم پروجیکٹ پر کئے گئے اشتراک کیطرح اس کے قانونی، معاشرتی اور اخلاقی اثرات سے نمٹنے کے لئے بھی اسی جذبہ اشتراک سے کام کریں۔"

(مرسلہ: وقاص سرور)

نومسلم کا تعارف

پروفیسر رجاء گارودی (فرانس)

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

نامور سیاست دان، مفکر، مصنف اور دانشور راجر گارودی 1913ء میں مارسیلز (فرانس) میں پیدا ہوئے۔ 1939ء میں جنگ عظیم کے آغاز پر وہ فرانسیسی فوج میں بھرتی ہو گئے اور فرانس کی شکست پر وہ بھی گرفتار ہوئے اور تین سال تک ایک جنگی قیدی کی حیثیت سے الجزائر کے ایک کیمپ میں مقید رہے۔ جنگ کے خاتمے پر وہ رہا ہوئے اور 1945ء کے انتخابات میں فرانسیسی پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے اور 1985ء تک مسلسل اس منصب پر منتخب ہوتے رہے۔ 1959ء سے 1962ء تک وہ سینٹ کے رکن بھی رہے۔ تقریباً 12 سال تک فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کے چیرمین رہے اور اس دوران میں انہوں نے (The theory of materialism) (Problems of marxim) اور (Lenin's Studies) کے عنوان سے تین کتابیں تصنیف کیں۔ وہ پارٹی کے نظریاتی جریدے کے ڈائریکٹر بھی تھے اور انہوں نے مارکسزم کی تعلیم و تحقیق کی خاطر ایک انسٹی ٹیوٹ بھی قائم کیا تھا۔ مگر طویل مطالعے اور گہرے غور و خوض کے نتیجے میں وہ بتدریج اسلام کے قریب آتے چلے گئے حتیٰ کہ 1982ء میں انہوں نے باقاعدہ مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور رجاء گارودی کا نام اختیار کیا۔ قبول اسلام کے بعد موصوف محترم نے مغربی تہذیب و ثقافت کی مذمت اور اسلام کے اثبات میں متعدد کتابیں لکھیں جن میں ISLAM THE RELIGION OF FUTURE اور ISLAM PLANS FOR THE FUTURE خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ وہ صیہونیت کو دنیا کے لئے ناسور سمجھتے ہیں جس کا اظہار انہوں نے THE CASE OF ISRAEL میں کیا ہے۔ یہ کتاب منظر عام پر آئی تو یورپ بھر میں تہلکہ مچ گیا اور یہودیوں اور یہود نواز حلقوں نے بڑا واویلا کیا اور نوبت مقدمہ بازی تک جا پہنچی۔ آج کل وہ (PALESTINE THE LAND OF PROPHETS) پر کام کر رہے ہیں۔ رجاء گارودی نے سعودی عرب، عرب امارات اور ایران کے علاوہ مسلم تنظیموں کی دعوت پر ہندوستان کا دورہ بھی کیا ہے اور مختلف یونیورسٹیوں میں انہوں نے متعدد لیکچر بھی دیے ہیں۔ مختلف اجرائد و رسائل کو انٹرویو دیتے ہوئے

رجاء گارودی نے اپنے قبول اسلام کی سرگذشت یوں بیان کی ہے۔

میں سب سے پہلے اس امر کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ میں عقل و شعور کی وادی میں قدم رکھتے ہی کمیونسٹ ہو گیا تھا اور اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میرے والدین کٹر دہریئے تھے اور ہر قسم کے مذہب کو فریب سے تعبیر کرتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب اس صدی کی تیسری دہائی تک پہنچتے پہنچتے امریکہ سے اٹھنے والا الحاد و دہریت اور فکری انارکی کا زبردست طوفان پورے یورپ میں پھیل گیا تھا اور خصوصا" اس نے فرانس کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا تھا چنانچہ اس زمانے میں فرانس کے تمام ادیب' شاعر' صحافی' اساتذہ' نوبل انعام یافتہ شخصیات اور مصور و فنکار کیمونزم کے اسیر ہو گئے تھے اور میری سرگرمیوں اور جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ میں بیس برس کی عمر ہی میں (یعنی 1933ء میں) فرانسیسی کیمونسٹ کی مرکزی کونسل کا رکن بن گیا تھا۔

جیسا کہ ابھی بیان کرچکا ہوں یہ دور یورپ میں فکری انارکی اور عملی انتشار کے عروج کا دور تھا۔ ہٹلر اسی زمانے میں نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے جرمن قوم کا ہیرو بن گیا۔ ذاتی طور پر میرا یہ عالم تھا کہ ان گنت لوگوں کی طرح ساری آسائشوں اور عیش و مسرت کے ذرائع رکھنے کے باوجود ذہنی آسودگی اور روحانی سکون سے محروم تھا اور یوں لگتا تھا جیسے زندگی کسی خلا میں گزر رہی ہے۔ جب بھی تنہا ہوتا غور کرتا کہ ساری مادی سہولتوں کے باوجود آخر میں مضطرب و غمگین کیوں ہوں اور یورپ کا معاشرہ ہر طرح کی نعمتوں کے باوجود سکون و اطمینان سے کیوں محروم ہے؟ چنانچہ ہفتوں اور مہینوں کے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ کائنات خود بخود نہیں بنی اور خدا کا سہارا روح کی بنیادی ضرورت ہے' چنانچہ میں عیسائیت پر ایمان لے آیا اور "کیتھولک مسیحی نوجوانوں کی تنظیم" کا چیئرمین بن گیا۔ کیمونسٹ پارٹی سے بھی میرا تعلق بدستور قائم رہا اور کسی کیمونسٹ نے مسیحی تنظیم سے میرے تعلق کو ہدف تنقید نہ بنایا۔ شاید اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ کیمونزم اصل میں عیسائیت کی وہ اصطلاح ہے جو اقتصادی مسائل کے حل کے لئے گھڑی گئی ہے۔

دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو 1939ء میں میں ملکی سالمیت کی خاطر فوج میں بھرتی ہو گیا اور 1940ء میں فرانس کو جرمنی کے مقابلے میں شکست ہوئی تو مجھے بھی گرفتار کر لیا گیا اور ہموطنوں کے ساتھ الجزائر کے ایک جنگی کیمپ میں منتقل کر دیا گیا یہاں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ جس نے مجھے مسلمانوں اور اسلام سے سب سے پہلے متعارف کرایا اور آخر کار میری نظریاتی اور عملی

زندگی کے لئے سنگ میل بن گیا۔ ہوا یوں کہ کیمپ کمانڈر نے ایک روز برہم ہو کر مجھے گولی مارنے کا حکم دے دیا اور اس مقصد کی خاطر دو فوجیوں کے حوالے کر دیا۔ یہ دونوں فوجی مسلمان تھے انہوں نے مجھے گولی مارنے سے انکار کر دیا اور جان بخشی کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ سب کچھ میرے سامنے ہوا میں عربی زبان سے نابلد تھا۔ اس لئے میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تاہم زندہ بچ جانے کی خوشی سے زیادہ تجسس یہ تھا کہ وہ کونسے اسباب ہیں جنہوں نے اجنبی فوجیوں کے دلوں میں میرے لئے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات پیدا کر دیئے۔

اس مقصد کی خاطر میں نے ایک ایسے الجزائری مسلمان کی مدد حاصل کی جو عربی کے ساتھ ساتھ فرانسیسی زبان سے بھی واقف تھا۔ اس نے بتایا کہ مسلمان فوجیوں نے یہ کہہ کر مجھ پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا کہ "اسلام نہتے انسان پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا"

اس واقعہ نے میرے ذہن کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ الفاظ میرے ذہن میں گونجتے رہتے اور میں سوچتا رہتا کہ وہ کیسا مذہب ہے جس نے اپنے پیروکاروں کو اس قدر اعلیٰ اخلاقی قدروں کا پابند بنا دیا ہے۔ چنانچہ جنگ ختم ہونے پر جب میں رہا ہوا تو اولین فرصت میں میں نے اسلامی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرنے کا پروگرام بنایا اور سوربورن یونیورسٹی میں دس سال تک "اسلامی اخلاقیات" کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔

اسی دوران مجھے دوبارہ الجزائر جانے کا موقع ملا اور میری ملاقات الجزائری علماء کی تنظیم کے صدر شیخ بشیر الابراہیمی سے ہوئی اور ان کی شخصیت میں مجھے اسلام عملی شکل میں نظر آیا اور ان کی وساطت سے میں الجزائر کے قومی ہیرو جناب عبدالقادر الجزائری کے حالات سے آگاہ ہوا اور ان کے شاندار مجاہدانہ کردار نے میرے دل و دماغ کو مسخر کر لیا۔ میں الجزائر پر فرانس کے استعماری قبضے کے سخت خلاف تھا اور اخبارات میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا رہتا تھا۔

1945ء میں' میں فرانسیسی پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہو گیا تھا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر میں نے جز وقتی طور پر تدریس کا پیشہ اختیار کر لیا۔ اس زمانے میں مجھے کمیونزم' عیسائیت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کرنے کا بھرپور موقع میسر آیا اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ بحیثیت ضابطہ حیات عیسائیت میں کوئی دم خم نہیں اور یہ اپنے پیروکاروں میں کسی نوعیت کا اخلاقی انقلاب پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ کلاس روم میں سرمایہ داری نظام پر سارے بحرانوں' معاشرتی اور اخلاقی انتشار' اقتصادی ناہمواری اور

روحانی خلا کا باعث سرمایہ داری نظام اور مغربی تہذیب ہے۔ اسی دور میں ایک مرتبہ یونیسکو کے زیر اہتمام ثقافت کے حوالے سے ایک عالمی مذاکرہ ہوا مجھے بھی اس میں مدعو کیا گیا اور میں نے برملا کہا کہ مغربی تہذیب و ثقافت نے انسان کو نہ صرف انسانیت سے دور کیا ہے بلکہ روح جیسی مقدس چیز کا بھی مذاق اڑایا ہے۔

جہاں تک مارکسزم کا تعلق ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے معاشرے میں پائی جانے والی طبقاتی اونچ نیچ کے خلاف قابل قدر عملی اور تحقیقی خدمات انجام دیں' مگر بدقسمتی سے اس نظام کی ساری تگ و تاز کا مرکز و محور طبقاتی کشمکش کے سوا کچھ نہیں اور انسان کی روحانی اور اخلاقی ضرورتوں کو کلیتہ" نظرانداز کیا گیا ہے۔ چنانچہ انسانیت کے ساتھ مجموعی طور پر جو سلوک روس میں روا رکھا گیا اور روس نے نئی استعماری طاقت کی حیثیت سے جو طرز عمل مشرقی یورپ کے ساتھ اختیار کیا' وہ اتنا بھیانک تھا کہ جب روس نے چیکوسلواکیہ پر فوج کشی کی تو میرے صبر کا بند ٹوٹ گیا اور میں نے برملا احتجاج کیا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے 1972ء میں کیمونسٹ پارٹی سے نکال دیا گیا جس کا مجھے فی الحقیقت بہت صدمہ ہوا۔

میں اہل یورپ کے اس ظالمانہ رویے پر بھی بہت پریشان ہوا جو انہوں نے فلسطین کے بارے میں اختیار کیا۔ سکولوں کے نصاب میں بائبل کی یہ تحریف شامل کر دی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارض فلسطین کو یہودیوں کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ میں نے اس رویے کے خلاف فرانس کے مشہور اخبار "لی مونڈ" میں مضامین لکھے جس کے نتیجے میں مجھے اور اخبار کے ناشر کو خوب ہدف تنقید بنایا گیا حالانکہ یہ حقیقت یورپ کے کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں رہی کہ صیہونیت کسی مذہبی فرقہ کا نام نہیں بلکہ یہ دراصل ایک دہشت پسند' انسان دشمن اور مکروہ عزائم رکھنے والی تنظیم ہے جس کی بنیاد اٹھارویں صدی میں ایک ملحد و خبیث طالع آزما تھیوڈور ہرزل نے رکھی اور انسانیت کو ناقابل تلافی المیوں کے سپرد کر دیا۔ افسوس اس نے انجیل مقدس میں جو تحریف کی' یورپ کے مسیحی حلقوں نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

مسلسل مطالعے' غور و فکر اور مغربی تہذیب' کیمونزم اور صیہونیت اور اسلام کے تقابلی تجزیے کے بعد میں بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ہی وہ دین واحد ہے جو عقلی اور وجدانی دونوں اعتبار سے خدا کی واحدنیت کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ یہ وہ مکمل اور جامع ضابطہ حیات ہے جس کی جستجو

میں عیسائیت اور کیونزم میں کرتا رہا مگر ناکام رہا۔ بالفاظ دیگر میں ایسے عقیدے کی تلاش میں تھا جو نجی اور اجتماعی زندگی کے جملہ تقاضوں پر محیط ہو' مذہب اور سماج کو ساتھ لے کر چلتا ہو' بندے اور خدا کے تعلق کو مضبوط بناتا ہو اور یہ خصوصیات مجھے صرف اسلام میں نظر آئیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں باون مقامات پر غرباء اور ان کے مسائل کا ذکر آیا ہے اور اسلامی تعلیمات میں یہ بات بڑی واضح ہے کہ وہی شخص خدا کے زیادہ نزدیک ہو سکتا ہے جس کے تعلقات و معاملات اپنے ہم جنسوں سے بہتر اور عدل و توازن پر مبنی ہوں۔ اس کے برعکس بلاشبہ عیسائیت کسی حد تک انسان کے اندرون کی اصلاح کرتی ہے مگر عملی زندگی میں یہ ایک قدم بھی ساتھ نہیں چلتی یہاں خدا اور بندے کو دو الگ الگ خانوں میں بانٹ دیا گیا ہے اور یہ المیہ حضرت مسیح کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد ہی ظہور پذیر ہو گیا تھا۔ رومن دور میں حکمران طبقہ کی خوشنودی کے لئے مسیحی علماء نے فتویٰ دے دیا کہ جو شخص کاروبار حکومت سے دور رہتا ہے اور اسلحہ سے لاتعلق ہو جاتا ہے وہ خدا کا زیادہ مقرب ہے چنانچہ انسانوں کی ذاتی زندگی اور سیاسی کردار میں بعد پیدا ہوتا چلا گیا چرچ سے متقدر طبقے سے مسلسل مصالحت کا رویہ اختیار کئے رکھا حتیٰ کہ یہ عملی زندگی سے دور ہٹتا چلا گیا۔

اس کے برخلاف اسلام ایک محرک' انقلابی اور زندہ مذہب ہے۔ یہ مختلف مسائل کا عقلی اور قابل عمل حل پیش کرتا ہے اور ہر دور کے انسان کو زندگی کے ہر شعبہ حیات میں رہنما اصول دیتا ہے۔ قرآن کو بغور پڑھ کر دیکھ لیجئے یہ بہترین سوشل جسٹس کا علمبردار ہے اور اقتصادی' سیاسی' ثقافتی' تمدنی اور اخلاقی شعبوں میں ہر مرد و زن کی رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن کا اصل موضوع انسان ہے چنانچہ اس کے مطالعے سے صاف نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انسان سے بے حد محبت ہے اور انسان کو دنیاوی و روحانی طور پر روبہ ترقی اور خوشحال و مطمئن دیکھنا چاہتا ہے چنانچہ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر صاحبان اقتدار قرآنی احکام کو عملاً نافذ کر دیں تو کسی شعبے میں کوئی الجھن نہ رہے اور انسانوں کے سب دکھ درد دور ہو جائیں۔ سارے مسائل کا واحد سبب یہ ہے کہ خدائی احکامات کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے اور انسان انسان کا آقا و مولیٰ بن گیا ہے۔ ورنہ خدا تو اپنے بندوں کو دکھی اور مصیبت زدہ نہیں دیکھنا چاہتا۔

یہ تھیں وہ نظریاتی اور عملی خوبیاں جنھوں نے میرے دل و دماغ کو مسخر کر لیا اور میں حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اس طرح گویا میں نے اپنی کھوئی ہوئی منزل پالی اور ایک بامقصد زندگی کا باقاعدہ آغاز کیا۔

حسین ابن منصور حلاج ؒ

(ایم محمد اکرم)

انا الحق کے لفظی معنی ہیں "میں خدا ہوں" یہ وہ جملہ تھا جو المعروف منصور حلاج ؒ کی زبان سے نکلا کرتا تھا۔

ان کا اصل نام حسین تھا۔ منصور ان کے باپ کا نام تھا اپنے پیشے کی وجہ سے حلاج کہلائے۔ اس طرح ان کا پورا نام حسین ابن منصور حلاج ؒ تھا۔ لیکن عرف عام میں منصور حلاج ؒ ہی مشہور ہوئے۔ انا الحق کہنا اگرچہ کلمہ کفر ہے لیکن حسین ایک مجذوب اور سچے عاشق سرمست تھے۔ اپنی کسی روحانی کیفیت کی وجہ سے یہ کلمہ منہ سے نکالتے رہے۔ قبلہ انصاری صاحب علیہ رحمتہ نے اپنی مشہور تصنیف "وحدت الوجود" میں اس بات کی وضاحت کر دی کہ حسین ابن منصور نے کہاں غلطی کھائی اور وہ کیوں وحدت الوجود کے مقام پر رکے رہے اور ساری عمر انا الحق کہتے رہے اور ان کا سفر آخری منزل تک کیوں نہ جاری رہ سکا یہ سب باتیں حلقہ توحیدیہ کے بھائی اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں۔ میں ضمناً تھوڑا ساذکر کروں گا۔

ایک سالک جب اپنا روحانی سفر شروع کرتا ہے تو مختلف منازل طے کرتا ہوا جب عالم "ھو" کے نچلے طبقے میں پہنچتا ہے تو یہاں وحدت الوجود کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی دنیا جہاں کی تمام اشیا۔ یہاں تک کہ خدا اور انسان بھی سب ایک ہی نظر آتے ہیں۔ یعنی انسان سمجھنے لگتا ہے کہ خدا اور میں ایک ہی ہیں۔ بلکہ میں خدا ہی ہوں۔ یہ ایک کیفیت ہے حقیقت نہیں۔ اس لئے سالک کو یہاں ٹھرنا نہیں چاہیے۔ یہ منزل نہیں ہے اس سے آگے بڑھنا ہے۔ یہ صرف ایک چھوٹا سا ٹھراؤ ہے (STOPAGE)۔ جو لوگ اس کو آخری منزل (LAST GOAL) سمجھ لیتے ہیں اور یہیں ٹھہر جاتے ہیں۔ وہ غلطی کھا جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ اسی مقام پر رکے رہتے ہیں۔ حسین ابن منصور ؒ نے بھی اسی کیفیت کو حقیقت سمجھ لیا اور ہمیشہ اسی مقام پر رکے رہے اور انا الحق کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اہل شریعت نے دار تک پہنچا دیا۔

آپ کی زندگی کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ مختلف جگہ سے جو صحیح حالات دستیاب ہوئے ہیں۔ ان کو اکٹھا کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ختن سے دمشق جاتے ہوئے راستے میں ایک چھوٹی سی بستی بیضا نامی تھی۔ حسین ابن منصور کے دادا ممی اس بستی کے رہنے والے تھے۔ وہ آتش پرست تھے اور اپنے مجوسی ہونے پر فخر کرتے تھے۔ اس نے بستی کے ایک کونے میں ایک سرائے بنائی ہوئی تھی۔ جہاں اکثر مسافر اور قافلے آکر ٹھرتے تھے۔ ممی مسافروں کے ٹھرنے اور آرام و آسائش کا بہت خیال

رکھتے تھے وہ ان کو مناسب داموں کھانا مہیا کرتے۔ سردی گرمی سے بچاؤ کے لئے خاص انتظامات کرتے تھے۔ سرائے کے ایک کونے میں مسلمان مسافروں کیلئے ایک مسجد بنا رکھی تھی۔ جہاں روشنی اور پانی کا خاص انتظام تھا حسین کے والد منصور کو اپنے باپ کا یہ کاروبار پسند نہ تھا۔ وہ اس گمنام سی بستی میں رہ کر اپنے آپ کو ایک چھوٹے سے کام میں محدود نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ گھر سے چلے گئے اور ایک بڑے قصبے جندیسا پور میں سکونت اختیار کرلی۔ یہ قصبہ دشت سوس کا بالائی حصہ تھا۔ اس کے ارد گرد شہتوت کے درختوں کی بہتات تھی۔ وہاں ریشم کے کیڑے پالنے اور ریشمی کپڑا بننے کا کاروبار ہوتا تھا۔ یہ کام وہاں کے لوگوں نے چینی سیاحوں اور جہاں گردوں سے سیکھا تھا۔ منصور نے بھی اسی کام کو اپنایا اور بہت جلد اپنے کام کو ترقی دی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کا شمار صف اول کے ہنرمندوں اور بڑے بڑے تاجروں میں ہونے لگا۔ بیضا بستی سے آنے کے بعد منصور ایک دفعہ بھی باپ سے ملنے نہ گیا۔ بلکہ اس نے شادی بھی وہیں کرلی۔ کچھ عرصہ بعد اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ محمی کو خبر ہوئی تو وہ پوتے کو دیکھنے کے لئے گیا۔ وہ بڑی بڑی روشن آنکھوں والا خوبصورت اور تندرست و توانا بچہ تھا۔ پوتے کو دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ لیکن اس کو افسوس تھا کہ بیٹے نے شادی اپنی مرضی سے کرلی تھی۔ محمی واپس بیضا چلا گیا محمی جب دوسری بار بیٹے کو ملنے آیا تو اس کا پوتا چار سال کا ہو چکا تھا مگر اس کا کوئی نام نہیں رکھا تھا۔ صرف ابن منصور کہلاتا تھا۔ محمی نے زرتشتی حساب سے کئی نام تجویز کئے لیکن منصور اسے ٹال گیا۔ محمی کی یہ عادت بن گئی تھی کہ وہ قافلے والوں سے پوتے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز خرید کر رکھ لیتا چنانچہ دو سال بعد جب پھر جندیساپور آیا تو اسکے پاس پوتے کے لئے چیزوں کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا۔ جندیساپور پہنچا اسے دیکھ کر خوشی بھی ہوئی اور حیرت بھی کہ چھ سال کی عمر میں بچے نے خوب قد کاٹھ نکالا ہے وہ اپنی عمر سے بڑا لگتا تھا۔ اور بے حد ذہین بھی تھا۔ پوتا دادا کو دیکھتے ہی لپٹ گیا۔ دادا نے جوش و محبت سے اس کا سر منہ چوما دادا کی لائی ہوئی چیزیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اس نے دادا کو بتایا کہ وہ مدرسے بھی جاتا ہے۔

محمی نے اپنے بیٹے منصور سے پوچھا اس کا نام کیا رکھا ہے۔ بیٹے نے جواب دیا "حسین"۔ محمی بری طرح چونکا۔ یہ نام کیا؟ یہ نام تو مسلمانوں کا ہے۔ منصور نے پوری قوت ارادی سے جواب دیا "میں مسلمان ہوں اباجان" تم مسلمان ہو گئے ہو۔ محمی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ باپ کی ناگہانی موت سے منصور کو دلی صدمہ ضرور پہنچا۔ لیکن اسے اس بات کا قطعاً افسوس نہ تھا کہ اس نے آبائی مذہب کو ترک کر دیا ہے۔

باپ کی وفات کے بعد وہ اپنے بیوی بچوں کو لے کر واپس بستی بیضا چلا گیا اور وہاں جا کر اپنے باپ کی

سرائے کا انتظام سنبھال لیا۔ لیکن سرائے مسافروں کے لئے بند کر دی۔ صرف اکا دکا مسافر آ جاتے تو ان کے ٹھہرنے کا بندوبست کر دیا جاتا۔ بیٹے حسین کو بستی کے ایک مدرسے میں داخل کرا دیا اور بے فکر ہو گیا۔ ادھر جندیساپور کے کاروبار کو بند نہ کیا بلکہ جاری رکھا اور اس کی نگرانی چند ایک اچھے کاریگروں کے حوالے کر دی اور خود کبھی کبھی چکر لگا آتا اس طرح ریشم کا کارخانہ بدستور چلتا رہا اور ریشم کے کیڑوں کی پرورش کا کام بھی جاری رہا۔

کچھ عرصہ بعد منصور کے مدرس کی جانب سے حسین کے خلاف شکایت ملی کہ وہ درس میں دلچسپی نہیں لے رہا۔ پڑھائی کے دوران اس کا دھیان کسی اور طرف لگا رہتا ہے۔ اور استاد سے بے معنی بحث کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مدرس نے اس کی ذہانت اور نکتہ رسی کی بہت تعریف کی۔ منصور نے بیٹے سے باز پرس کی تو اس کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ وہ ذہنی طور پر اپنی عمر سے کہیں آگے نکل گیا ہے۔ بستی کا چھوٹا سا مکتب اس کی ذکاوت اور ذہانت کو جلا نہیں بخش سکتا۔ چنانچہ منصور حسین کو تستر کی بڑی درسگاہ میں لے گئے۔ تستر کا مقام پہاڑی کے دامن میں سرسبز و شاداب جگہ تھی۔ وہاں بہت بڑے استاد جید عالم اور شیخ طریقت سہل بن عبداللہ موجود تھے۔ اس مدرسے سے متصل طلباء کے لئے ایک پر فضاء اور آرام دہ اقامت گاہ موجود تھی۔ کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی کے دامن میں صاف' شفاف پانی کا چشمہ تھا۔ یہ جگہ ہر وقت عبادت گزاروں اور گوشہ نشینوں سے آباد رہتی تھی۔ حسین کو جب شیخ سہل بن عبداللہ تستری کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے اس سے چند سوال پوچھے۔ حسین کے جوابوں سے مطمئن ہو کر اسے درسگاہ میں داخل کر لیا۔ یہاں طلباء کو عبادت و ریاضت نفس کشی اور شب بیداری کی کڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان سب باتوں کو حسین نے بڑی خوشی سے قبول کیا۔ چنانچہ حسین کو یہاں درسگاہ تستری میں پڑھتے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا۔ وہ بڑے ذوق و شوق سے تعلیم حاصل کرتا۔ روزانہ سبق یاد کرنے اور سنانے میں اپنے تمام ہم جماعتوں سے پیش پیش رہتا۔ استاد معظم اس سے بہت خوش ہوتے اور شفقت فرماتے۔

اچانک ایک دن منصور کو حسین کی طرف سے ایک دستی خط ملا۔ منصور بہت خوش ہوا۔ یہ بیٹے کی طرف سے پہلا خط تھا بڑے شوق سے کھولا اور پڑھا پدر محترم! السلام علیکم میں مدرسے میں خوب دل لگا کر پڑھ رہا ہوں۔ یہاں بے حد سکون ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی بھی کمی نہیں۔ مدرسے سے باہر کا ماحول بھی بڑا پر فضا ہے۔ میں اپنا سبق خوب اچھی طرح یاد کر لیتا ہوں استاد معظم مجھ سے خوش ہیں لیکن بعض اوقات مجھے اتنی گہری نظروں سے دیکھتے ہیں کہ مجھ پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ میں ان نگاہوں کا

مفہوم سمجھنے سے قاصر ہوں۔ ان سے پوچھنے کی ہمت بھی نہیں پڑتی۔ وہ شب بیدار ہیں دن کو عموماً روزہ رکھتے ہیں۔ جو کی خشک روٹی سے روزہ افطار کرتے ہیں۔ دیوار سے ٹیک لگا کر نہیں بیٹھتے۔ ہمیں بھی ریاضت اور جسمانی محنت کرنا پڑتی ہے۔ لیکن مجھے اس سے خوشی ہوتی ہے اور میرا دماغ روشن ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی ان کی غیر موجودگی میں ان کے حجرے میں چلا جاتا ہوں۔ ان کی کتابیں اور رسائل چپکے سے اٹھا لاتا ہوں اور چھپ چھپا کر تنہائی میں ان کا مطالعہ کرتا ہوں۔ پھر ان میں سے کئی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ لیکن جو باتیں سمجھ آتی ہیں ان کے پڑھنے سے میرے دل میں نور کی شعاعیں پھوٹتی محسوس ہوتی ہیں اور دماغ پر کیف و سرور چھا جاتا ہے۔ دعا فرمائیں مجھ میں ساری باتیں سمجھنے کی قابلیت آ جائے۔

آپ کا فرماں بردار بیٹا۔ حسین

منصور یہ خط پڑھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ اس کے بیٹے میں اس قدر فصاحت و بلاغت ذہانت اور فطانت ہے کہ مدرسے کے تمام ساتھیوں میں ممتاز ہے اور کتابیں اور رسائل پڑھنے سے اس کے دل میں نور کی شعائیں پھوٹتی ہیں۔ ایک نو عمر طالب علم کے لئے اچھی بات نہیں ہے اس کی ذہنی سطح دوسروں سے بلند نظر آتی ہے۔ یہ اس کے لئے بہت سی پیچیدگیاں پیدا کر دے گا۔ چنانچہ اس نے درسگاہ تستری جانے کا ارادہ کر لیا چنانچہ ایک دن درسگاہ پہنچ گئے۔ حسین کو دیکھ کر منصور کے دل پر ایک گھونسا سا لگا۔ اس کا قد کچھ بڑھ گیا تھا۔ لیکن جسم لاغر نظر آ رہا تھا۔ منصور سمجھ گیا کہ یہ ریاضت اور تربیت نفس کا نتیجہ ہے۔ منصور نے بیٹے سے کہا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہیں رسالوں کا مطالعہ تمہیں ان سے باغی تو نہیں کر رہا تم اپنی حد سے گزر تو نہیں رہے ہو۔ پدر محترم! ایسی کوئی بات نہیں میں محترم استاد سے سرکشی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بس میرا دل پکار کر کہتا ہے کہ میں خود کو کسی کا پابند نہ کروں۔ ذہن کو راہ طریقت کی دیواروں میں مقید نہ کروں۔ میں قلب و نظر کی آزادی چاہتا ہوں۔ مطالعے نے میرے ذہن کو پرواز دی ہے۔ میں رب المشرقین والمغربین کے مظاہر کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ کائنات کی وسعتوں میں نکل جانا چاہتا ہوں۔ سیاحت عالم اور تلاش حق سے اپنے فکر و عمل کی نمو چاہتا ہوں۔ منصور حیرت سے منہ کھولے دیکھ رہا تھا وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ حسین اس کم عمری میں ایسی فصاحت و بلاغت سے گفتگو کرے گا۔ منصور، حسین کے غیر معمولی ذہین ہونے سے فکر و تردد میں پڑ گیا۔ اسے بیٹے کی بلند ذہنی سطح سے تشویش تھی۔ منصور کے دل میں وسوسے سر ابھارنے لگے۔ اس نے محسوس کیا کہ بیٹا خطرناک راستے کی طرف جا رہا ہے۔ جہاں آلام و حوادث اس کے منتظر ہیں۔

منصور نے بہت سوچ کر کہا "میں چاہتا ہوں کہ تم تعلیم مکمل کر کے اپنی بستی بیضا میں رہنے لگو اور

دادا کی سرائے دوبارہ کھول لو۔ حسین فوراً بولا! نہیں۔ منصور نے اگلی بات کہی کہ اگر یہ نہیں تو وہاں ایک مدرسہ کھول لو تاکہ بستی کے لوگ تمہاری علمیت سے مستفید ہوں۔ حسین نے غصے سے جواب دیا کہ چند کندہ ناتراش افراد میں محدود کرلوں۔ منصور نے مایوسی سے کہا تو میں اپنا کاروبار ختم کرکے اور سرائے بیچ کر جندیساپور چلا جاؤں تم بھی وہیں آجاؤ وہ بڑا قصبہ ہے اور وہاں اپنا ریشم کا کارخانہ ہے تم اس کی نگرانی کرو۔ حسین نے جواب دیا کہ جندیساپور ہی کل دنیا نہیں ہے۔ آپ مجھے کب تک وہاں قید رکھ سکیں گے۔

اس کے جواب سے منصور پر حیرت و خوف کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ ابھی کچھ کہہ نہ پایا تھا کہ درس گاہ کے خادم نے آکر بتایا کہ شیخ آپ کو یاد کررہے ہیں منصور خادم کے ساتھ ہولیا۔ شیخ کے حجرے میں داخل ہوئے۔ شیخ سہل بن عبداللہ کھجور کی چٹائی پر دوزانو بیٹھے تھے۔ انہوں نے خندہ پیشانی سے اپنے شاگرد کے باپ کا استقبال کیا۔ منصور ان کے سامنے نظریں جھکائے مودب بیٹھ گیا۔ شیخ منصور سے فرمانے لگے۔ حسین بہت دانشمند ہے فہم و ذکا اور تحصیل علم میں تمام طلبا سے کہیں آگے ہیں۔ لیکن جستجو اس کے مناسب نہیں وہ پابند صوم و صلوۃ ہے ریاضت بھی کرتا ہے۔ لیکن اس کا ذہن لا یقینی باتوں میں الجھا رہتا ہے۔ اسے چاہئے کہ ذہن شرع کی حدود میں رکھے۔ اسے باہر نہ نکلنے دے۔ مومن شرع پر قائم ہے تو مومن ہے ورنہ کچھ نہیں اور اس کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔

شیخ کے آخری جملے سے منصور کا دل کانپ اٹھا۔ وہ منتظر رہا کہ شیخ کچھ اور کہیں گے۔ لیکن وہ دیر تک خاموش رہے۔ منصور نے کن آنکھوں سے دیکھا کہ شیخ مراقبے میں چلے گئے ہیں۔ یہ اشارہ تھا اس کے رخصت ہونے کا وہ آہستہ سے اٹھا اور حجرے سے باہر نکلا۔ کچھ فاصلے پر حسین بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ "استاد محترم کیا کہہ رہے تھے" اس نے قریب آکر اشتیاق سے پوچھا۔ میں تمہارا باپ ہوں تم میری اکلوتی اولاد ہو' منصور نے رقت سے کہا تم سے میری نسل کو چلنا ہے۔ مجھے عذاب میں مبتلا نہ کرو۔ اپنے خیالات پراگندہ نہ ہونے دو انہیں شرعی حدود میں رکھو تعلیم مکمل کرکے بستی میں آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ اولاد کو ماں باپ کی فرماں برداری کا حکم دیتا ہے۔ وہ کہتا گیا لیکن حسین خاموش کھڑا خلا میں گھورتا رہا۔

دو روز کے بعد حسین اپنے ساتھیوں سے چھپ کر درسگاہ کے باہر اپنے مخصوص گوشے میں استاد کا ایک رسالہ پڑھ رہا تھا۔ کہ ان کا خادم خاص اسے بلانے آگیا اور کہا کہ شیخ صاحب نے طلب فرمایا ہے۔ حسین چونکا۔ اس رسالہ کو پھولوں کے ایک کنج میں چھپایا اور خادم کے ہمراہ چل پڑا۔ شیخ سہل بن عبداللہ اپنے مخصوص انداز میں حجرے میں بیٹھے تھے۔ حسین دروازے پر آکر رک گیا تو انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ

کیا۔ وہ دروازے کے قریب ہی دوزانو بیٹھ گیا۔ استاد محترم نے بڑے نرم لہجے میں کہا "حسین یہ کتابیں اور رسالے تمہارے فہم ادراک سے بالا ہیں۔ ابھی یہ تمہارے لئے نہیں ہیں" حسین کا دل کانپ اٹھا۔ اس کی چوری پکڑی گئی تھی۔ پکڑنے والا کون تھا اس کے استاد محترم تھے۔ جو اپنے کشف کی وجہ سے سب کچھ جان لیتے تھے۔ "تمہاری کوششیں رائگاں جائیں گی ابن منصور" شیخ نے نہایت حلیمی سے کہا۔ تم راہ حق سے بھٹک جاؤ گے۔ اپنی حد سے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔ ورنہ ذہن میں انتشار فتنہ اور فتور پیدا ہو جائیگا تم کہیں کے نہ رہو گے۔ تم شرعی احکام کے پابند رہو۔ تم ذرا بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ انسان کی عقل ناقص ہے تم ابھی طفل مکتب ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم بے حد ذہن ہو اور بہت قابل ہو۔ لیکن تمہارا ذہین ایک کچے شگوفے کی مانند ہے۔ گم راہ ہو جاؤ گے۔"

آپ بجا فرماتے ہیں استاد محترم! حسین نے دبی زبان سے کہا۔ لیکن گستاخی سے معافی چاہتے ہوئے عرض کروں گا کہ "میں اپنے شوق تجسس سے مجبور ہوں میں ذات باری تعالیٰ اور بقا و فنا کے ان رازوں کو جاننا چاہتا ہوں جو انسان سے چھپائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور بندے کے رشتے کے رموز کو جاننا چاہتا ہوں" اس کے منہ سے یہ ماورائی لفظ سن کر شیخ طریقت جیسے لحظہ بھر کے لئے سکتے میں آ گئے۔ پھر انہوں نے تحکمانہ لہجے میں کہا میرے قریب آؤ حسین جھکتے سمٹتے سرکتے سرکتے' شیخ کے قریب ہوا' چاہتا تھا کہ استاد محترم کے پاؤں پکڑ لے اور رو کر معافی مانگے۔ لیکن شیخ کی نیم تحکمانہ اور مشفقانہ آواز نے حسین کو کچھ کہنے کا موقع نہ دیا۔ شیخ کی آخری بات کہ جاؤ۔

"مقدرات پر قانع رہو" حسین اس کی وضاحت جاننا چاہتا تھا۔ مگر شیخ نے انہیں جانے کا اشارہ کر دیا۔ وہ آہستہ آہستہ حجرے سے باہر نکلا اس نے بے کنار آسمان کو دیکھا۔ لامحدودیت کا احساس اس کی نظروں کو برما رہا تھا۔ زمین پر اسے چاروں طرف وسعت ہی وسعت نظر آ رہی تھی۔ ہوا کا سمندر تھا۔ وہ خود کو اس کشتی کی مانند محسوس کر رہا تھا جو کسی کنارے کی متلاشی ہو۔ شیخ کی آواز کانوں میں گونج رہی تھی۔ "جاؤ اور مقدرات پر قانع رہو" وہ کچھ عرصہ سوچتا رہا پھر اپنی اقامت گاہ پر گیا اور وہاں سے اپنے کچھ دینار اور کپڑے ایک گٹھری کی شکل میں اٹھائے اور خاموشی سے درسگاہ سے نکلا اور ایک نامعلوم منزل کی طرف چل پڑا۔ (جاری ہے)

•

تصوف اسلامی اور مرتبہ احسان

(عبداللہ)

تصوف و سلوک دراصل اصلاح نفس، تزکیہ باطن اور تعمیر سیرت یا اخلاق حسنہ کا نام ہے نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے دو انداز اختیار فرمائے۔ ایک علمی و ذہنی دوسرا روحانی و قلبی۔ پہلے طریقے سے آپ نے قرآن کریم کی آیات اور دیگر اصول حیات و حکمت سکھائے اور دوسرے طریقے سے اپنی نگاہ کیمیا اثر کے فیض سے ایمان لانے والوں کے شیشے ہائے قلوب سے قبل از اسلام گناہوں اور غیر اللہ کی محبت کی تمام تر کثافت و زنگ اتار کر اللہ اور اللہ کی شدید محبت کا رنگ اجاگر کر دیا۔ پہلا طریقہ زبان و بیان سے متعلق اور دوسرا القائی و انعکاسی اثرات کا حامل تھا۔

جونہی کوئی شخص ایمان لانے کی غرض سے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس کے قلب پر ایک نگاہ معجزہ اثر پڑی اور وہ نفس کی تمام تر آلائشوں اور وساوس شیطانی سے پاک و صاف ہو گیا۔ اس روحانی تربیت کا اعجاز تھا کہ اصحابی رسول اللہ ﷺ بن کر ہر کوئی اپنی استعداد کے مطابق عالم، فقیہہ، مفسر، حاکم، سفیر اور جرنیل بننے کے ساتھ ایمان و ایقان کی قوت لازوال سے مالا مال ہو جاتا۔ روحانی تربیت کا وہ نسخہ کیمیاء جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے واسطے سے سینہ بہ سینہ امت مسلمہ میں جاری رہ کر تا قیامت ظلمت میں گھرے قلوب کو منور کرتا رہے گا۔ دین متین کا یہی وہ روحانی رخ ہے جو علماء ظاہر کے ہاں موجود نہیں۔

اس روحانی تربیت کے لئے مایہ ناز علماء و فضلاء اپنے تمام تر ظاہری کمالات و علمی صفات کے باوجود روحانی فیض کے حصول کے لئے درویشان خدا کے سامنے زانوادب تہہ کرنے پر مجبور ہوئے۔ یہ دولت عظمیٰ کتابوں کے سفینوں کی بجائے مردان کامل کے سینوں میں پوشیدہ ہے اور ایسے الفاظ و عبارت کی بجائے عمل انعکاس و القاء کے ذریعہ سینہ شیخ سے اخذ کیا جاتا ہے یہی روحانی میراث ہے جو ہر دور میں اولیاء کرام کو حاصل رہی اور تا قیامت منتقل ہوتی رہیگی۔

دین کا درخت تین حصوں پر مشتمل ہے۔ عقائد (جڑیں) اعمال حقوق اللہ و حقوق العباد (تنا اور شاخیں) اور احسان و اخلاص (پھل) جس کو حاصل کرنے کے لئے راہ تصوف و سلوک میں لطائف و

مراقبات کو ذرائع و سائل کی حیثیت حاصل ہے۔ غفلت و گناہ سے قلب سقیم ہو جاتا ہے اور اسے قلب سلیم میں بدلنے کے لئے نسخہ شفاء برہان ہادی برحق محمد ﷺ صرف ذکر الٰہی ہے۔ دل کو صاف کرنے کی چیز اللہ کا ذکر ہے۔ حیات انسانی جسم و روح کے اتصال سے عبارت ہے۔ جس طرح ظاہری جسم کے حواس کے لئے مختلف اعضاء کان' آنکھ' ناک' زبان و قوت لامسہ ہیں۔ اسی طرح روح کے حواس کو لطائف قلبی' روحی' سری' خفی' اخفی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کا محل سینہ ہے یوں سمجھ لیجئے کہ ستے میں پانچ سینے ہیں جو ہماری غفلت اور گناہ کے نتیجے میں زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ ان لطائف کو منور کرنے کی واحد دوا اللہ کا ذکر ہے گویا تزکیہ باطن اور اسم ذات "اللہ" کا ذکر لازم و ملزوم ہیں۔ تمام سلاسل سلوک میں ذکر اسم ذات کو تصوف کے رفیع الشان کی بنیاد کہا جاتا ہے۔

بقول حضرت حاجی امداد اللہ مکی مہاجر" "انسان کے جسم میں چھ جگہیں انوار و برکات سے پر ہیں اور یہی لطائف کہلاتی ہیں۔

حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں

سری' قلبی' روحی' اخفی خفی کمان ہو
میں قربان تنہاں تو باہو جھڑے اکس نگاہ جگاون ہو

اگرچہ لطائف کے مقامات اور انوارات کے رنگوں میں صوفیاء کا قدرے اختلاف ہے اس کی وجہ چونکہ یہ ہے کہ تمام لطائف آئنوں کی طرح باہم مربوط ہیں۔ اس لئے ایک دوسرے انوارت آپس میں بعض اوقات اس طرح منعکس ہو جاتے ہیں کہ تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔ کہ یہ کس لطیفے کے انوار ہیں۔

اللہ رب ذوالجلال والاکرام کا وہ اسم ذاتی ہے جس کے ذکر سے شیشہ دل منور ہو جاتا ہے یعنی دل سے کثافت دور ہو کر اس میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ اور جب یہ شیشہ پوری طرح منور ہو جاتا ہے تو اس میں تجلیات باری تعالیٰ ہر آن جلوہ بار ہوتی ہے اور خواہشات نفسانی کے بت پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ اس وقت دل کبر و نخوت جور و ستم حرص و ہوا' لوٹ کھسوٹ اور خود غرضی کی تاریکی کے بجائے عجز و خدا پرستی' ہمدردی' انسان دوستی' ایمان داری' دیانت داری' ایثار و مروت' علم و عقل' تحمل و صبر' قناعت و رضا اور توکل اللہ کے اجالوں سے جگمگا اٹھتا ہے۔ نفس امارہ' نفس مطمئنہ میں تبدیل ہو جاتا ہے اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب کا احساس کار فرما ہوتا ہے۔ دریائے دل

میں حب الٰہی کے جذبات موجزن ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ میں ایمان کامل اور یقین محکم نصیب ہوتا ہے۔ اللہ سے اس محبت کا یہ لازمی پہلو انسان پر اتنا اثر انداز ہوتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات نفسانی پر غالب آ کر راضی برضا الٰہی ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا ہر قول و فعل اور عمل متابعت رسول اللہ ﷺ کے سانچے میں ڈھل کر عین حکم الٰہی کے مطابق ہو جاتا ہے۔ ذکر کی انقلاب انگیز تاثیر سے ہزاروں فسق و فجور میں مبتلا لوگوں کو صدق دل سے گناہوں سے توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور ان کا کردار و سیرت بہتر سے بہتر ہو جاتا ہے۔ یہی وہ تزکیہ باطن ہے جس سے دنیوی و اخروی فلاح و شاد کامی وابستہ ہے۔

یوں تو نماز' تلاوت قرآن مجید اور دیگر وظائف و اوراد سب ذکر ہی کے ذیل میں آتے ہیں مگر تصوف کی اصطلاح میں ذکر سے مراد اسم ذات "اللہ" لی جاتی ہے۔ اور اس میں لا الہ الا اللہ' اللہ ھو اور اللہ کا ذکر کرایا جاتا ہے۔ ذکر مخفی کو لسانی پر ستر گنا فضیلت حاصل ہے۔

الغرض شریعت علم' طریقت عمل اور حقیقت عمل کا اثر ہے۔ گویا پہلے تو شریعت ہے کہ دینی احکام سے آگاہی کے لئے درس تدریس اور واعظ و تبلیغ ہے جس کے تحت ایک شخص شعائر اسلام ظاہری طور سے اختیار کر لے۔ اگلا مرحلہ امور باطنی کے لئے ذرائع اور وسائل یعنی ذکر و مراقبات ہیں جنہیں طریقت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس سے اگلہ مرحلہ حقیقت یعنی اخلاص او حضوری قلب یعنی عبادت ایسی کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے کا حاصل ہو جائے اور اس سے اگلہ مرحلہ معرفت ہے مثلاً" نماز کے مسائل سے آگاہی' شریعت' نماز کا قیام' طریقت اور نماز میں خشوع اور حضوری قلب کی کیفیت حقیقت اور سامنے کعبہ اور صاحب کعبہ کو دیکھنا معرفت ہے اور یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے چاہتا عطا کر دیتا ہے۔

سو آج اگر آپ محبت الٰہی کے طالب' تزکیہ باطن کے خواہاں' سکون قلب کے متلاشی اور اصلاح معاشرہ کے تمنائی ہیں تو اپنے دل کو اللہ کے ذکر کی سرمدی تانوں سے آباد کیجئے۔ پھر دیکھئے عبادت میں کیسا سرور و لطف ملتا ہے۔ اعمال میں کیسی خوبی پیدا ہوتی ہے اور معاشرہ کتنی جلدی اصلاح پذیر ہوتا ہے۔ یہ ارض بے اماں کیسے جلد ہی جنت گم گشتہ کا روپ دھارتی ہے۔

نہ چھوڑ اے دل فغان صبح گاہی
اماں شاید ملے اللہ ھو میں

دل کا دروازہ

(امام محمد الغزالیؒ)

عالم ملکوت کی طرف دل کا دروازہ ہونے کی یہ ایک قوی دلیل ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے دل میں فراست اور نیک خطرات الہام کے طور پر نہ آتے ہوں اور وہ حواس کی راہ سے نہیں آتے بلکہ دل میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ تمام علوم محسوسات کے سبب نہیں ہیں۔ دل کا تعلق اس جہان سے نہیں بلکہ عالم روحانی سے ہے اور حواس کو مادی عالم کے واسطے پیدا کیا گیا ہے۔ انسان جب تک مادی عالم سے فارغ نہ ہو گا روحانی عالم کی طرف راہ نہیں پا سکے گا۔

تم یہ گمان نہ کرنا کہ عالم روحانی کی طرف دل کا دروازہ تب ہی کھلتا ہے جب آدمی سو جائے یا مر جائے بلکہ اگر کوئی شخص محنت و مشقت سے کام لے' خواہشات اور غصے پر قابو پالے' برے اخلاق سے اپنے آپ کو پاک کر لے اور خالی جگہ میں بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے اور قوت ارادی سے ظاہری حواس کو عارضی طور پر معطل کر کے اپنے دل کی روحانی عالم کے ساتھ اتنی مناسبت کر لے کہ (پاس انفاس کے ذکر کے ذریعے) ہمیشہ دل سے اللہ کہے زبان سے نہیں۔ حتیٰ کہ اپنے آپ اور تمام جہان سے بے خبر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی خبر نہ رکھے۔ جب ایسا ہو جائے تو اگرچہ وہ انسان جاگتا ہو پھر بھی اس کے دل کا دروازہ کھلا رہے گا۔ دوسرے لوگ جو کچھ خواب میں دیکھتے ہیں وہ یہ جاگتے میں دیکھے گا۔ فرشتوں کی ارواح اچھی صورتوں میں اس پر ظاہر ہوں گی۔ انبیاء علیہم السلام کو دیکھنے لگے گا اور ان سے بہت فائدہ اور مدد پائے گا۔ زمین و آسمان کے ملکوت اسے نظر آنے لگیں گے۔ جس کسی پر یہ راہ کھل گئی وہ عجیب و غریب تماشے اور بڑے بڑے کام جن کی تعریف امکان سے باہر ہے دیکھے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اسی نوعیت کا ہے کہ زمین میرے سامنے کر دی گئی اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمین اور آسمانوں کی بادشاہت کی سیر کرائی۔ بلکہ سب انبیاء کے

علوم اسی طرح کے تھے۔ ان کا تعلق حواس اور سیکھنے سے نہ تھا بلکہ سب کا آغاز ریاضت اور مجاہدہ سے تھا جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کو سورت مزمل میں حکم ہوا واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا "اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور سب کو چھوڑ کر اسی کے ہو جاؤ" یہ حکم اسی لئے ہے تاکہ انسان کا دل مخلوق دشمنی، غصہ و نفرت اور دنیا کی خواہشات کی مشغولیت سے پاک صاف ہو۔ تم یہ گمان نہ کرو کہ جن امور کا ذکر ہوا وہ صرف انبیاء علیہم السلام کے لئے ہیں بلکہ ہر آدمی اپنی اصل کے اعتبار سے اس قابل ہے۔ جیسے کہ لوہا اپنی اصل کے اعتبار سے ایسا نہیں ہے کہ اس سے آئینہ نہ بن سکے جس میں اشیاء کی تصاویر نظر آئیں الا یہ کہ اسے زنگ لگ جائے اور لوہا خراب و برباد ہو جائے یہی حال دل کا ہے کہ اگر دنیا کی حرص اور ہوا و ہوس اس پر غالب آجائے اور گناہ کے جذبات اسی میں گھر کرلیں تو دل بھی زنگ آلود ہو کر میلا ہو جاتا ہے اور آئینہ بننے کی صلاحیت معدوم ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر انسان صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ کیا ہر ہر آدمی میں روحانی لیاقت و اہلیت موجود ہے؟ تو اس کی خبر اللہ تعالیٰ نے خود دے دی ہے۔ الست بربکم قالوا بلی یعنی جب میں نے انسانی ارواح سے یہ پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو تمام ارواح نے اس کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ اگر ہم کسی بھی صاحب ہوش انسان سے پوچھیں کہ کیا دو ایک سے زیادہ نہیں تو اس کا جواب یقیناً اثبات میں ہو گا۔ کسی عقلمند نے اگرچہ یہ بات کان سے نہ سنی ہو اور نہ ہی آنکھ سے ایسا دیکھا ہو لیکن اس جواب کی صداقت میں اسے کسی قسم کا شبہ نہ ہو گا۔ اسی طرح اللہ کے وجود کا اعتراف اور اس کی معرفت سب آدمیوں کی فطرت کا تقاضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔ ولئن سالتھم من خلقھم لیقولن اللہ یعنی اگر آپ ان سے سوال کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے" عقلی دلائل اور تجربہ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ روحانی امور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص نہیں کیوں کہ وہ بھی جنس بشر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قل انما انا بشر مثلکم

"یعنی آپ ﷺ فرما دیجئے کہ میں بھی تمہاری ہی مثل بشر ہوں" جس انسان پر یہ رو کھل جائے اور اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوق کی اصلاح کے لئے مامور فرمائے اور وہ سب مخلوق کو ہدایت کی دعوت دے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس معین و منتخب ہستی کو بتلایا اسے شریعت کہتے ہیں اور خود اس شخص کو پیغمبر اور اس کے مخصوص حالات کو معجزات کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص مخلوق کو بلا کر اس کی ہدایت میں مشغول نہ ہو تو اسے ولی کہتے ہیں اور اس کے مخصوص حالات کو کرامات کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ جس شخص کے یہ حالات ہوں ضروری نہیں کہ وہ مخلوق کی ہدایت میں مشغول ہو بلکہ یہ قدرت الٰہی پر منحصر ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے اس وقت ہدایت کے کام میں اس لئے مشغول نہ کرے کہ ہنوز شریعت تازہ ہو اور فی الوقت اس کی ضرورت نہ ہو۔ یا بعض ایسی شرائط ہوں جو اس میں نہ پائی جاتی ہوں۔ تمہیں چاہئے کہ اولیاء اللہ کی ولایت اور ان کی کرامات کے معاملہ میں اپنا اعتقاد درست رکھے۔ اس حقیقت کا احساس کرلیں کہ یہ معاملہ محنت سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں مجاہدہ کی شدید ضرورت ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ کھیتی میں محنت کرنے والے کو غلہ ضرور حاصل ہو اور سفر کرنے والا ضرور ہی منزل پر پہنچے اور ڈھونڈنے والا ضرور ہی مطلوبہ چیز پالے۔ جو بھی کام زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے اس کی شرطیں بھی کثیر ہوتی ہیں اور اس کا حصول کارے دارد!

مقام معرفت میں آدمی کے جو درجات ہیں تو یہ کام ان میں سب سے بڑے درجے والا ہے۔ نہ تو یہ بغیر کوشش نصیب ہوتا ہے اور نہ ہی کامل مرشد کے بغیر اور اگر یہ دونوں نصیب ہو جائیں تو پھر بھی امداد و توفیق الٰہی کے بغیر کامیابی مشکل ہے۔ اس کے ساتھ ہی تقدیر ازلی میں اس کے مقدر میں اس سعادت کا لکھا ہونا ضروری ہے ورنہ ساحل مراد تک پہنچنا مشکل ہے۔

تاریخ میں دیکھے جانے والے مناظر میں سب سے نیا اور بالکل علیحدہ ہے۔ اس منظر کے بارے میں یہ ٹیم کہتی ہے کہ شاید ہم ایک ایسے سیارے کو دیکھ رہے ہیں جو بالکل ابھی اپنی زندگی کا آغاز کرنے والا ہے اور یہ نوجوان سیارہ اپنے خاندان کو بنانے میں لگا ہے۔

دراصل ہوتا یہ ہے کہ خلا SPACE مٹی اور گیسوں کے بادلوں سے بھری پڑی ہے۔ کچھ Big Bang کا نتیجہ ہے اور کچھ Recycled۔ یہ بادل ۱۰ یا ۲۰ نوری سالوں کے فاصلے پر محیط ہیں بالکل ایسے ہی جیسے ہم آسمان پر بادل دیکھتے ہیں۔ بادلوں میں کچھ گہرے کثیف DENSER حصے ہوتے ہیں۔ زیادہ کثافت کا مطلب ہے زیادہ مادہ یعنی دیئے ہوئے حجم میں زیادہ مادہ کی مقدار۔ زیادہ مقدار مادے کا مطلب ہوا زیادہ کشش ثقل۔ زیادہ کشش ثقل کا مطلب ہوا کہ یہ حصہ زیادہ مٹی کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ اس طرح ایک گرہ بن جاتی ہے جو ایٹمی نیوکلیائی بننے کے لئے بہت زیادہ گرم اور بہت زیادہ دباؤ کی حامل ہونے لگتی ہے۔ اور اس طرح یہ FUSION NUCLEI ATOMIC کے لئے تیار ہونے لگتی ہے اور یوں ایک ستارہ پیدا ہوتا ہے جو کہ پیدا ہو چکا ہے۔ اس عمل کے بعد باقی رہ جانے والی مٹی نہایت تیزی کے ساتھ گھومتی ہے۔ نتیجتاً مرکز گریز قوت پیدا ہوتی ہے جو مٹی کو پھیلا دیتی ہے۔ یہ عمل کئی ملین سال جاری رہتا ہے اور پھر سیارہ بنتا ہے۔ موجودہ نظام جو انہیں دریافت ہوا ہے اس کی عمر ۱۰ ملین سال ہے۔ یعنی وہ وقت جب ہمارا سورج JUPITER تھا اور اس نے بننا شروع کیا تھا۔

سائنسدانوں کا خیال ہے کہ اس وقت یہ عمل اس مرحلے سے گزر رہا ہے جہاں گرم مٹی نے اسے گھیرا ہوا ہے۔ یہ مٹی کسی حد تک دھات 'سلیکیٹ'، پانی نما برف اور شاید لوہے 'گریفائیٹ اور دوسرے مرکبات سے گھرا ہوا ہے۔

یہ نظام پیدا ہو چکا ہے۔ آنے والا وقت اور جدید آلات ہمیں نئی معلومات فراہم کریں گے۔

(مرسلہ: محمد عثمان)

کواکب نو

(سید احمد ظفر علی)

فلوریڈا یونیورسٹی کی دوربین کے ذریعے کچھ سائنسدان آسمان کی گہرائیوں میں دور تک کچھ دیکھنے کی جستجو میں لگے ہوئے تھے۔ وہ کبھی کسی جانب دوربین کا رخ کرکے دیکھنے لگتے اور کبھی کسی اور جانب۔ آسمان کی گہرائیوں میں کسی نئی اور بالکل نئی چیز کی تلاش میں یہ بہت دیر سے سرگرداں تھے۔ اس مرحلے پر ان سائنسدانوں کی ٹیم نے سوچا کہ ستارے ۲۰ مائیکرون طول موج کی شعاعیں خارج کرتے ہیں۔ کیوں نہ آج ان طول موج کی شعاعوں کا معائنہ کیا جائے اور ان کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ انہوں نے اپنی دوربین کا رخ انہی شعاعوں کی جانب کر دیا۔ تقریباً" A 4796 کے قریب انہیں ایک پلیٹ نما چیز نظر آئی۔ انہوں نے اس پر غور شروع کر دیا۔ مادے کی پلیٹ نما یہ چیز فی الحال ان کی سمجھ سے باہر تھی۔ شروع میں انہیں خیال گزرا کہ شاید دوربین درست طرح سے تصویر نہیں دے رہی ہے۔ اسے مزید صاف اور واضح کیا جائے۔ مگر اچانک انہیں اندازہ ہوا کہ دوربین درست منظر ہی دکھا رہی ہے۔ دراصل جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ چیز مادے کی ایک ایسی پلیٹ کی مانند ہے جو بہت دھندلی ہے۔ ایسی کہ جیسے کوئی تصویر صاف نظر نہ آئے۔ کچھ ہی دیر بعد انہیں احساس ہوا کہ وہ دراصل سیاروں کے بننے کے عمل کو دیکھ رہے ہیں۔ بالکل ایسا ہی عمل جیسے کہ ہماری زمین کے بننے کے وقت ظہور میں آیا تھا۔ مٹی چھوٹے چھوٹے گولوں کی صورت میں جمع ہو رہی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے 45 بلین سال قبل ہماری زمین اور اس کے سیارے اور سورج بنا تھا۔ وہ سب چیخ اٹھے کہ ہم نے اس عمل کو ہوتے وقت ہی جالیا۔ ان سائنسدانوں نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ ہم نے 15 میٹر والی جیمس کلارک میکسویل ٹیلی اسکوپ کو پچھلے سال بھی ایک ایسے ہی منظر کو پیدا ہوتے ہوئے دیکھنے کے لئے استعمال کیا تھا۔ تاہم ان کا خیال ہے کہ موجودہ منظر کا مرحلہ وہ ہے جہاں یا تو سیارے بن چکے ہیں یا پھر بننے کے آخری مراحل میں ہیں۔ تاہم انہوں نے کہا کہ یہ منظر

جمہوریت

(محمد آصف ڈار)

عموماً جمہوریت سے یہی مراد ہے کہ یہ ایک ایسی خالصتاً عوامی حکومت ہوتی ہے۔ جس میں مکمل عوام پر عوام کا ہی عمل دخل ہوتا ہے۔ بلکہ ابراہم لنکن کا یہ مقولہ تو ہر خاص و عام کے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے کہ

Government of the people By the people and for the people

یعنی عوام کی حکومت، عوام کے لئے اور عوام کے ذریعے لیکن بقول حضرت واصف علی واصفؒ کے پاکستان میں جمہوریت کس کو کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ۔ جس طرح امن دو جنگوں کے درمیانی وقفے کا نام ہے اسی طرح کہیں "جمہوریت" مارشل لاء اور مارشل لاء کے درمیانی عرصے کا نام نہ ہو۔

واصف باصفا بھی حضرت علامہ اقبالؒ کی طرح مغربی جمہوریت سے خائف نظر آتے ہیں فرماتے ہیں کہ "جمہوریت جوہر شناس نہیں کیونکہ جمہوریت صرف مقدار کی قائل ہے معیار کی نہیں" جب کہ حضرت علامہ اقبالؒ بہت پہلے یہ بات فرما چکے تھے۔

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

ایک اور جگہ حضرت واصف صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "جمہوریت کا سفر جلسوں، جلوسوں، تقریروں، جھوٹ سچ ملا کر بولنے، وعدہ خلافی، تشدد، مار دھاڑ، حکومت سابقہ کی مخالفت، گٹھ جوڑ اور توڑ پھوڑ کا سفر ہے۔ بلکہ جمہوریت سقراط کو زہر پلاتی ہے، منصور کو سولی چڑھاتی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا احترام نہیں کرتی یہ سب کچھ مغربی تہذیب کے تحفے ہیں۔ بظاہر جمہوریت اور جمہوری حکومت کا نعرہ بڑا ہی پرکشش ہے لیکن تیسری دنیا کے لئے مغربی اقوام کا یہ ایک خطرناک مہلک ہتھیار ہے۔ اس ضمن میں حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد، جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے، اثر خواب آوری

ایک اور جگہ علامہ اقبال" اپنی نظم ابلیس کی مجلس شوریٰ میں اس بات کو اس طرح سے واضح کرتے ہیں۔

تو نے کیا دیکھا نہیں' مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن' اندرون چنگیز سے تاریک تر

علامہ اقبال جمہوریت کو اسلامی ممالک کے لئے اقوام مغرب کا ایک خطرناک حربہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے اہل مغرب کو اسلام سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے وہ تو اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں پھر ان کا تجویز کردہ نظام حکومت کیونکر دینی حکومت کے قیام کا سبب اور محرک بن سکتا ہے۔

بالکل اسی طرح حضرت واصف فرماتے ہیں کہ جمہوریت اپنے تمام تر فوائد کے باوجود کبھی دینی حکومت نہیں ہو سکتی للہذا دینی معاشرے میں جمہوری طرز حکومت کا قیام صرف ناممکن ہی نہیں بلکہ نامناسب اور ناروا ہے۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ اسلام کے نام پر جمہوریت کا قیام دراصل اسلام اور جمہوریت دونوں سے مذاق ہے۔ اسلام صداقت پر مبنی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ صداقت اکثریت میں نہیں ہے اور یہ بات بھلا کسی سے ڈھکی چھپی ہے کہ جو لوگ جمہوریت کے مہنگے راستوں سے ایوان اقتدار میں آتے ہیں بھلا انکو دینی حکومت کے قیام سے کیا غرض ہو سکتی ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی رائے سے دین اسلام' اسلام نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ دین کثرت رائے کے احترام سے دین نہیں بنا بلکہ یہ اللہ کے حکم' اللہ کی مرضی اور عطا سے ہے یہ دین اللہ کی پسند سے ہے اس میں جمہوریت کا دور دور تک دخل نہیں۔

وطن عزیز میں تو یہ بات طے شدہ ہے کہ جمہوریت کے ذریعے کوئی مفکر' امام' دانشور' عالم دین' ولی مرد حق آگاہ کسی یونیورسٹی کا اعلیٰ تعلیم یافتہ وائس چانسلر حتی کہ چیف ایگزیکٹو بھی برسراقتدار نہیں آ سکتا اور جمہوریت کی آڑ لیکر ووٹ کو ضرورت بنا دیا گیا تو سچ اور جھوٹ کی تفریق اور تقسیم ختم ہو جائے گی اور اسطرح سے دو نائب قاصدوں یا دو مالیوں کے دو ووٹ ایک یونیورسٹی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور عالی دماغ وائس چانسلر کے ووٹ کی اہمیت و حقیقت اور رائے کو یکسر ختم کر کے رکھ دیں گے اور آج تک اسلام نافذ نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں سے رائے مانگی جاتی رہی ہے اور اگر خدا لگتی کہی جائے تو یہی بات ہے آج ظاہری و باطنی طور پر اکثریت دین سے بیزار ہے اور جمہوریت تو پھر ہوتی ہی ہے اکثریت کی حکومت و قیادت' جمہوریت میں اسلام کی قطعاً" کوئی گنجائش نہیں لیکن اس کے برعکس اسلام میں جمہوریت کی گنجائش ہے اور واصف صاحب جمہوریت کو خوفناک تماشہ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب تک عوام میں حق پسند' حق طلب اور حق آگاہ لوگوں کی کثرت نہ ہو تو پھر جمہوریت ایک خطرناک کھیل ہے۔

اس فریب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

دعا کے آداب

(حافظ محمد یاسین)

دعا صرف خدا سے مانگیئے اس کے سوا کبھی کسی کو حاجت روائی کے لئے نہ پکاریئے دعا عبادت کا جوہر ہے اور عبادت کا مستحق تنہا خدا ہے۔

قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

"اسی کو پکارنا برحق ہے اور یہ لوگ اس کو چھوڑ کر جن ہستیوں کو پکارتے ہیں وہ ان کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے انکو پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا کر چاہے کہ پانی اس کے منہ میں آ پہنچے' حالانکہ پانی اس تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ بس اسی طرح کافروں کی دعائیں بے نتیجہ بھٹک رہی ہیں" (الرعد 14)

یعنی حاجت روائی اور کارسازی کے سارے اختیارات خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کے سوا کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں سب اسی کے محتاج ہیں۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو بندوں کی پکار سنے اور ان کی دعاؤں کا جواب دے۔

"انسانو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اللہ ہی ہے جو غنی اور بے نیاز اور اچھی صفات والا ہے" (الفاطر۔ 15)

نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ خدا نے فرمایا ہے۔

"میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کر لیا ہے۔ تو تم بھی ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کو حرام سمجھو' میرے بندو تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے سوائے اس کے جس کو ہدایت دوں' پس تم مجھ سے ہدایت طلب کرو کہ میں تمہیں ہدایت دوں میرے بندو تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس شخص کے جس کو میں کھلاؤں پس تم مجھ سے روزی مانگو تو میں تمہیں روزی دوں' میرے بندو تم میں سے ہر ایک ننگا ہے سوائے اس کے جس کو میں پہناؤں پس تم مجھ سے لباس مانگو میں تمہیں پہناؤں گا میرے بندو تم رات میں بھی گناہ کرتے ہو اور دن میں بھی اور میں سارے گناہ معاف کر دونگا پس تم مجھ سے مغفرت چاہو" (صحیح مسلم)

حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی کو اپنی ساری حاجتیں خدا ہی سے مانگنی چاہئیں یہاں تک کہ اگر جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو خدا ہی سے مانگے اور اگر نمک کی ضرورت ہو تو وہ بھی اسی سے مانگے۔ (ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کے لئے بھی خدا ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اس کے سوا نہ کوئی دعاؤں کا سننے والا ہے اور نہ کوئی مرادیں پوری کرنے والا ہے۔

2۔ خدا سے وہی کچھ مانگے جو حلال اور طیب ہو' ناجائز مقاصد اور گناہ کے کاموں کے لئے خدا کے حضور ہاتھ پھیلانا انتہائی درجے کی بے ادبی' بے حیائی اور گستاخی ہے' حرام اور ناجائز مرادوں کے پورا ہونے کے لئے خدا سے دعائیں کرنا اور منتیں ماننا دین کے ساتھ بدترین قسم کا مذاق ہے۔

خدا کے حضور اپنی ضرورتیں رکھنے والا نافرمانی کی راہ پر چلتے ہوئے ناجائز مرادوں کے لئے دعائیں نہ مانگے بلکہ اچھا کردار اور پاکیزہ جذبات پیش کرتے ہوئے نیک مرادوں کے لئے خدا کے حضور اپنی درخواست رکھے۔

3۔ دعا گہرے اخلاص اور پاکیزہ نیت سے مانگے اور اس یقین کے ساتھ مانگے کہ جس خدا سے آپ مانگ رہے ہیں وہ آپ کے حالات کو پورا پورا یقینی علم بھی رکھتا ہے اور آپ پر انتہائی مہربان بھی ہے اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی پکار سنتا اور ان کی دعائیں قبول کرتا ہے۔

نمود و نمائش' ریاکاری اور شرک کے ہر شائبے سے اپنی دعاؤں کو بے آمیز رکھے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

"پس اللہ کو پکارو اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے" (المومن)

اور سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ

"اور اے رسول ﷺ! جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دیجئے کہ میں ان کے قریب ہی ہوں' پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ لہٰذا انہیں میری دعوت قبول کرنی چاہیے اور مجھ پر ایمان لانا چاہئے تاکہ وہ راہ راست پر چلیں"

4۔ دعا پوری توجہ' یکسوئی اور حضور قلب سے مانگے اور خدا سے اچھی امید رکھے اپنے

گناہوں کے انبار پر نگاہ رکھنے کی بجائے خدا کے بے پایاں عفو و کرم اور بے حد و حساب جود و سخا پر نظر رکھیے اس شخص کی دعا درحقیقت دعا ہی نہیں ہے، جو غافل اور لاپرواہ ہو اور لاابالی پن کے ساتھ محض نوک زبان سے کچھ الفاظ بے دلی کے ساتھ ادا کر رہا ہو اور خدا سے خوش گمان نہ ہو۔

حدیث نبوی ﷺ ہے۔

"اپنی دعاؤں کے قبول ہونے کا یقین رکھتے ہوئے حضور قلب سے دعا کیجئے۔ خدا ایسی دعا کو قبول نہیں کرتا جو غافل اور بے پروا دل سے نکلی ہو" (ترمذی)

5۔ دعا انتہائی عاجزی اور خشوع و خضوع کے ساتھ مانگیے۔

خشوع و خضوع سے مراد یہ ہے کہ آپ کا دل خدا کی ہیبت اور عظمت و جلال سے لرز رہا ہو اور جسم کی ظاہری حالت پر بھی خدا کا خوف پوری طرح ظاہر ہو سر اور نگاہیں جھکی ہوئی ہوں، آواز پست ہو، اعضاء ڈھیلے پڑے ہوئے ہوں آنکھیں نم ہوں اور تمام انداز و اطوار سے مسکینی اور بے کسی ظاہر ہو رہی ہو۔ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے دوران اپنی ڈاڑھی کے بالوں سے کھیل رہا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا" اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے جسم پر بھی خشوع طاری ہوتا"

دراصل دعا مانگتے وقت آدمی کو اس تصور سے لرزنا چاہیے کہ میں ایک درماندہ فقیر ایک بے نوا مسکین ہوں اگر خدانخواستہ میں اس در سے ٹھکرا دیا گیا تو پھر میرے لئے کہیں کوئی ٹھکانا نہیں، میرے پاس اپنا کچھ نہیں ہے جو کچھ ملا ہے خدا ہی سے ملا ہے اور اگر خدا نہ دے تو دنیا میں کوئی دوسرا نہیں ہے جو مجھے کچھ دے سکے خدا ہی ہر چیز کا وارث ہے اسی کے پاس ہر چیز کا خزانہ ہے بندہ محض فقیر اور عاجز ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ

"اپنے رب کو عاجزی اور زاری کے ساتھ پکارو"

عبدیت کی شان ہی یہی ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کو نہایت عاجزی اور مسکنت کے ساتھ گڑگڑا کر پکارے اور اس کا دل و دماغ، جذبات و احساسات اور سارے اعضاء اس کے حضور جھکے ہوئے ہوں اور اس کے ظاہر و باطن کی پوری کیفیت سے احتیاج و فریاد ٹپک رہی ہو۔ (جاری ہے)

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں؟

دنیائے اسلام کیلئے وقت کے اس اہم ترین سوال کا تفصیلی جواب معلوم کرنے کیلئے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحؒ

کی مندرجہ ذیل تصانیف ضرور پڑھیں

تعمیر ملت (اردو۔ انگلش)	چراغ راہ	حقیقت وحدت الوجود
مجلد 260 صفحات قیمت -/100 روپے	پلاسٹک کور 300 صفحات قیمت -/100 روپے	پلاسٹک کور قیمت -/25 روپے

ملنے کا پتہ

- ادارہ اسلامیات 190 نئی انار کلی لاہور
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- دیوا اکیڈمی پلاٹ نمبر 9، S.T بلاک نمبر 3 گلشن اقبال کراچی

  براہ راست ہم سے بذریعہ وی پی منگوائیں تو ڈاک خرچ ہمارے ذمہ ہوگا۔
- مرکز تعمیر ملت سلسلہ عالیہ توحیدیہ پوسٹ بکس نمبر 600 گوجرانوالہ

CS CamScanner

FALAH-E-ADMIAT

Registred

CPL No. 491

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت — اللہ — محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا تاکہ متلاشیان حق راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر بحث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں۔

☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔

☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح۔

☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے۔

☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔

☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین' مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے۔

☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق

☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہ۔

☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں۔

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت ازبام کر دی گئی ہیں اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔

CamScanner